در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

"شاہ محمد غوث" اکیڈمی یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

بانی مدیر
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

مدیر اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۳۱۵-۳۱۶ — جلد نمبر ۲۷

یکم تا ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء — ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

سورۃ الاحزاب آیت ۵۶

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضمون نگار	عنوان	نمبر شمار
۳	اقبال ریاض	شذرہ	۱
۵	سید شریف حسین شاکر بغدادی	نعت رسول مقبول ﷺ	۲
۶	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ	انوار غوثیہ شرح الشمائل النبویہ	۳
۱۷	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ	دراسات الحسنیہ	۴
۲۸	محمد خالد جذبی	نعت شریف	۵
۲۹	الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی	نورِ مصطفیٰ وسیلہ نورِ رب العلی	۶
۳۷	ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ	روحِ اسلام تصوف	۷
۴۶	سید قمر عباس	داعیٔ اتحاد بین المسلمین	۸
۴۸	سلیم بیتابؔ	غزل	۹
۴۹	علاؤالدین عدیمؔ	نور چشم شاہ جیلاں	۱۰
۵۱	مرتب: سید کامران شاہ بخاری	ارشاداتِ غوث الصمدانی رضی اللہ عنہ	۱۱
۶۲	سید محمد انور شاہ قادری	تبصرۂ کتب (آبِ کوثر)	۱۲
۶۴	سیف زلفی	غزل	۱۳

شذرہ

پشاور کی ترقی کیلئے عملی اقدامات کی ضرورت

اقبال ریاض

صوبائی دارالحکومت پشاور کو خوبصورت بنانے اور اس کے ماضی کی عظمت کو بحال کرنے کے مطالبے، اعلانات اور وعدے تو بار بار سنتے رہے ہیں لیکن کسی حکومت کو اس بارے میں اب تک عمل کی توفیق نہیں ہوئی۔

بہرحال دیر آید درست آید کے مصداق ہی سہی موجودہ صوبائی حکومت کے سربراہ وزیراعلیٰ محمد اکرم خان درانی نے جہاں مرکزی حکومت سے سرحد کی ترقی کیلئے تعاون اور اقدامات کیلئے کہا ہے وہاں پشاور کیلئے بھی ایک میگا پراجیکٹ کی منظوری دی ہے۔ اس پراجیکٹ کے تحت جن مسائل کی نشاندہی کی گئی یہ اور اس سلسلہ میں جو اقدامات تجویز کئے گئے ہیں ان کی ضرورت عرصہ دراز سے محسوس کی جارہی تھی۔

تاہم اس سلسلہ میں سرکاری افسروں اور منتخب نمائندوں پر مشتمل جو کمیٹی اصلاح احوال کیلئے منتخب کی ہے اسے محض سفارشات تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کمیٹی کو بااختیار بنایا جائے۔ یہ ایک اچھا اقدام ہے جبکہ کچھ عرصہ قبل پشاور کے مسائل کے سلسلہ میں ممتاز شہری

نمائندوں کی طرف سے ''پشاور بچاؤ تحریک'' کے نام سے جو مہم شروع کی گئی تھی اس کے مقاصد بھی یہی تھے۔

پشاور کی ترقی کیلئے منظور کیے جانے والے میگا پراجیکٹ کی منظوری، مختصر اور طویل المدتی منصوبوں سے تعلق رکھتی ہے اور اس سلسلہ میں متعلقہ کمیٹی کی طرف سے ایسے مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے جنہوں نے اہلیانِ پشاور کو صحت وصفائی، ٹریفک تجاوزات اور بعض دیگر مسائل کی بناء پر مشکلات سے دوچار کر رکھا ہے۔

بہر حال اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پراجیکٹ پر عمل درآمد میں تاخیر نہ کی جائے کیونکہ اس معاملہ میں مزید تاخیر اور تساہل منصوبہ کے التوا کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ سابقہ حکومتیں زبانی جمع خرچ تو کرتی رہی ہیں لیکن عملی طور پر اس شہر کی خدمت شاید ہی کسی نے کی ہو۔

سولہ لاکھ افراد کی آبادی تک پہنچ جانے والا یہ شہر عدم صفائی، نکاسی آب، تجاوزات، بے ہنگم ٹریفک اور منصوبہ بندی کے بغیر ہی تعمیر شدہ آبادی کے باعث گھمبیر مسائل کا شکار ہے اور لاکھوں مہاجرین کی موجودگی کے پیش نظر صورتحال اور خراب ہوئی ہے۔ پینے کے صاف پانی کی شدید قلب بھی اہل شہر کا ایک مسئلہ ہے۔

پشاور کے ناظم اعلیٰ نے اگرچہ منتخب ہونے سے پہلے اور بعد میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا تاہم اب اس سلسلہ میں عمل کی ضرورت ہے جبکہ اطمینان بخش امر یہ ہے کہ ناظم اعلیٰ کو اب اس خدمت کے بارے میں صوبائی حکومت کی تائید بھی حاصل ہوگی اور وہ اپنے فرائض کو بہتر طریقہ سے ادا کر سکیں گے۔

نعت شریف

آقا سید شریف حسین شاکر بغدادی

دیر دیکھا نہ کبھی ہم نے کلیسا دیکھا
جس طرف آنکھ اٹھی آپ کا جلوا دیکھا

لن ترانی ہے کہیں اور کہیں ''آ پیارے''
رتبہ اللہ کے محبوب کا، موسیٰ دیکھا؟

ہر ادا آپ کی دنیا سے نرالی دیکھی
آپ کا رنگ زمانے سے انوکھا دیکھا

جو محبت (نہیں) رکھتے میرے آقا سے انہیں
ہم نے اغیار کی چوکھٹ پہ ہے جھکتا دیکھا

جس نے دیکھا ہے تجھے اس نے خدا دیکھ لیا
جو نہیں دیکھ سکا اس نے بھلا کیا دیکھا

جب سے ہے دل پہ میرے نقش ھو اللہ احد
ماسوا کو نہ کبھی پھر نظر آتا دیکھا

تجھ پہ حضرت کی عنایت کی نظر ہے شاکر
نعت میں رنگ تیرا سب سے نرالا دیکھا

گزشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

بَابُ مَاجَآءَ فِیۡ ذِکۡرِ خَاتَمِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ باب سرورِ عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتری (انگوٹھی) کے بیان میں ہے۔

(اس باب میں آٹھ احادیث ہیں)

حل لغات اَلۡخَاتَمُ وَ الۡخَاتِمُ: انگوٹھی، مہر، انجام، گدی کا گڑھا، ٹانگوں کی تھوڑی سے سفیدی۔

اَلۡخَتَمُ: انگوٹھی

تشریح اس باب میں حضور سرورِ عالم وعالمیان احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوٹھی پہنی، کس قسم کی انگوٹھی پہنی، اس انگوٹھی پر نقش تھا جو کہ بطور مہر کے استعمال فرمایا جاتا، بیت الخلاء میں جانے کے وقت اس انگشتری کو نکال لیتے۔ یہ نقش مبارک والی انگشتری سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خلیفہ اول سیدنا امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی، ان سے حضرت خلیفہ ثانی سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پہنچی، ان سے حضرت خلیفہ ثالث سیدنا امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کو پہنچی اور اریس کے کنویں میں گر گئی

وغیرہ کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱/۸۴ حدثنا قتیبة بن سعید وغیر واحد عن عبداللہ بن وھب عن یونس عن ابن شھاب عن انس بن مالک قَالَ کَانَ خَاتَمُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مِنْ وَّرَقٍ وَّکَانَ فَصُّہٗ حَبَشِیًّا

ترجمہ جناب انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اوراس کا نگینہ حبش کا تھا۔

حل لغات الخَاتَم وَ الخَاتِم: انگشتری، انگوٹھی، مہر۔ الفَصّ: نگینہ۔ الفَصَّاص: نگینہ لگانے والا، قاموس میں ہے الفص للخاتم مثلثة۔

تشریح نبی کریم، مومنوں پر رؤف ورحیم، رحمت للعالمین، شفیع المذنبین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ مرد کیلیے سونا، چاندی، لوہا، پیتل وغیرہ کے زیورات کی قسم کی چیز استعمال کرنا قطعاً منع اور ناجائز ہے۔ ہاں مہر کیلیے چاندی کی انگوٹھی ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اس شخص کیلئے جسے مہر کی ضرورت ہو جائز ہے اور بغیر ضرورت مہر اسی وزن کی انگشتری پہننا اس سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اس کے پہننے سے بچے۔ اور علماء احناف فرماتے ہیں کہ اس انگوٹھی کی ہیئت بھی عورتوں کی انگشتری کی طرح نہ ہو جیسے ایک نگ سے زیادہ نگ کا انگشتری میں ہونا کہ یہ عورتوں کی زینت کا باعث ہے۔ ارشاد ہے "اس کا نگینہ حبش کا تھا" یعنی حبشی رنگ کا تھا یا جیسا کہ بعض شارحین نے فرمایا کہ ملک حبش کی طرف سے آیا تھا اور یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ اس نگینہ کا بنانے والا حبشی ہو۔ حضرت علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "والمراد بالفص ھنا ما ینقش علیه اسم صاحبه"

حدیث نمبر ۲/۸۵ حدثنا قتیبة حدثنا ابو عوانة عن ابی بشر عن نافع عن ابن عمر

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّۃٍ فَکَانَ یَخْتِمُ بِہٖ وَلَا یَلْبَسُہٗ' قال

ابو عیسی اسمه جعفر بن ابی وحشیه

ترجمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگشتری چاندی کی بنوائی تھی جس کے ساتھ مہر لگاتے اور اسے پہنتے نہیں تھے۔

حل لغات یَخْتِمُ بِہٖ: اس سے خطوط، فرامین وغیرہ پر مہر فرماتے۔

تشریح اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی مہر وغیرہ لگانے کی خاطر بنوائی اور اکثر اسے پہنا بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ انگوٹھی ہجرت کے ساتویں برس بنوائی۔ اسی لئے کہ انہیں سنین میں بادشاہوں کے نام اپنے مہر شدہ مکتوبات بھیجے۔ علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"قال ابن العربی و کان قبل ذلک اذا کتب کتابا ختمه بظفره"

ترجمہ: اس سے پیشتر جب کوئی خط لکھتے تو ناخن مبارک سے مہر فرمادیتے۔

جمع الوسائل میں حضرت محدث کبیر مولانا مولوی علی قاری رحمۃ الباری فرماتے ہیں

"والمراد انه لا یلبسه علی سبیل الاستمرار والدوام بل فی بعض الاوقات ضرورت الاحتیاج الیه للختم به کماهو مصرح به فی بعض الاحادیث"

ترجمہ: اس سے مراد یہ ہے کہ انگوٹھی ہمیشہ اور مداومت کے طور پر نہیں پہنتے تھے مگر بعض اوقات مہر کرنے کی ضرورت کی وجہ سے پہنتے جیسا کہ بعض احادیث شریف میں تصریح ہوئی ہے۔

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی امت مرحومہ کیلئے ایک مکمل نمونہ ہے۔ مردوں کیلئے انگشتریاں یا اس قسم کی کوئی اور چیز سونے یا چاندی کی پہننا تکبر، ریا اور رعونت اور فخر کا سبب ہے۔ لہٰذا ان افعالِ ذمیمہ سے بچنے کیلئے ان اشیاء کے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ شرح وقایہ میں ہے "مرد کو زیور

چاندی اور سونے کا پہننا حرام ہے" (کتب الکراہیہ)۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت مولائے کائنات اسد اللہ الغالب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ "حضور رسول کریم ﷺ نے داہنے ہاتھ میں سونا لیا اور بائیں ہاتھ میں حریر" اور فرمایا کہ "میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں" علامہ یوسف نبہانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ) "وسائل الوصول الی شمائل الرسول ﷺ" میں نقل فرماتے ہیں "نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے پتھر کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، اس زمانے میں اس پتھر سے بت بنائے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے مجھے تیرے اندر سے بتوں کی بو آرہی ہے۔ اس شخص نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ کچھ روز بعد پھر آیا اس وقت اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو اہلِ دوزخ کا زیور ہے۔ اس نے اس انگوٹھی کو بھی اتار کر پھینک دیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کس چیز کی انگوٹھی پہنوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاندی کی مگر ایک مثقال سے زیادہ وزنی نہ ہو۔"

حدیث نمبر ۸۶/۳ حدثنا محمود بن غیلان حدثنا حفص بن عمر بن عبید هوا الطنافسی حدثنا زهیر عن حمید عن انس قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهٗ مِنْهُ

ترجمہ جناب انس ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم ﷺ کی انگشتری چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

حل لغات منه للتبعیض ۔ والضمیر للخاتم

تشریح ارشاد ہے "اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا" یعنی اس انگوٹھی میں پتھر کا نگینہ نہ تھا بلکہ اسی چاندی سے اس کا نگینہ بنا ہوا تھا۔ علامہ عبدالرؤف مناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ تحریر فرماتے ہیں "ای فصه من بعضه لا

انه حضر منفصل عنه مجاور له ''ایک دوسری روایت میں بھی بطریق زھیر ابوداؤد میں ہے کہ ''من فضة کله ''یعنی پوری کی پوری انگوٹھی چاندی کی تھی۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں ایک حبشی نگینہ والی جس پر آنحضور ﷺ کا نامِ نامی واسم گرامی نقش تھا اس سے مہر کا کام لیا جاتا تھا اور یہ معیقیب رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتی تھی۔ دوسری انگشتری یہ تھی جو کہ صرف چاندی کی تھی۔ پیارے محبوب ﷺ اسے بھی کبھی کبھار استعمال فرماتے ہمیشہ نہ پہنتے۔ حضرت علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں ''ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم جعل خاتمه في يمينه ثم انه نظر اليه وهو يصلي و يده على فخذه فنزعه ولم يلبسه ''یہ کہ جناب رسول کریم ﷺ نے داہنے ہاتھ میں انگشتری پہن رکھی تھی، آپ ﷺ کی نگاہ مبارک نماز کے دوران اس پر پڑی جبکہ آنحضور ﷺ قعدہ میں تشریف فرما تھے، نماز کے بعد اسے اتار دیا اور پھر نہیں پہنی۔

''جمع الوسائل'' میں حضرت علامہ مولانا ملا علی قاری رحمہ الباری تحریر فرماتے ہیں

و ما روى ما بالتختم بالعقيق من انه ينفي الفقر و انه مبارك

و ان من تختم به لم يزل في خير ، فكلها غير ثابتة على ما ذكر الحفاظ

ترجمہ: اور جو کہ روایت کیا گیا ہے عقیق کی انگوٹھی پہننے سے غریبی جاتی رہتی ہے اور اس کی انگوٹھی مبارک ہے اور جو یہ انگوٹھی پہنتا ہے وہ ہمیشہ بھلائی پاتا ہے (وغیرہ وغیرہ) پس اس طرح کی تمام روایات ثابت نہیں ہیں جیسا کہ حفاظِ حدیث نے ذکر کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

''وفي خبر ضعيف ان التختم بالياقوت الاصفر يمنع الطاعون''

ترجمہ: اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ زرد یاقوت کی انگوٹھی طاعون کو روکتی ہے۔

حدیث نمبر ۴/۸۷ حدثنا اسحق بن منصور حدثنا معاذ بن هشام حدثني ابي عن قتاده عن انس بن مالك قَالَ لَمَّا اَرَادَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكْتُبَ

اِلَی الْعَجَمِ قِیْلَ لَہٗ اِنَّ الْعَجَمَ لَا یَقْبَلُوْنَ اِلَّا کِتَابًا عَلَیْہِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِہٖ فِیْ کَفِّہٖ

ترجمہ جناب انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب سید دو عالم رسول کریم ﷺ نے امراءِ عجم کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کیا گیا کہ امراءِ عجم ان خطوط کو قبول نہیں کرتے جن پر مہر لگی ہوئی نہ ہو، تو سرورِ عالم وعالمیان ﷺ نے انگوٹھی بنوائی۔ گویا کہ اس کی سفیدی کو حضور ﷺ کی ہتھیلی مبارک میں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔

حل لغات اِصْطَنَعَ: بنوائی، بنوایا جیسے کہ اِکْتَتَبَ ہے یعنی لکھوایا۔

تشریح ارشاد ہے "جب سیدِ دو عالم رسول کریم ﷺ نے امراءِ عجم کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا" یعنی جب سیدِ دو عالم ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو روساء اور امراء عجم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط تحریر فرمائے۔ ملک فارس کے حکمران الملقب بہ کسریٰ کے نام جناب عبداللہ بن حذافہ سہمی خط لے کر گئے۔ روم کے حکمران ہرقل الملقب بہ قیصر کے نام حضرت دحیہ کلبی خط لے کر گئے۔ حبشہ کے حکمران اصحمہ الملقب بہ نجاشی کے نام عمرو بن امیہ ضمیری خط لے کر گئے۔

ارشاد ہے "ان خطوط کو قبول نہیں کرتے" یعنی ان خطوط پر جو کہ بغیر مہر کے ہوں، اعتبار اور اعتماد نہیں کرتے ان کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے لہٰذا ان پر عمل دخل نہیں کرتے۔ نیز جس کی طرف خط لکھا جاتا ہے جب اس پر مہر ہو تو اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ قابلِ احترام ہے۔ ارشاد ہے "تو سرورِ عالم وعالمیان ﷺ نے انگوٹھی بنوائی" یعنی سید الکائنات ﷺ نے صحابہ کرام کا مشورہ قبول فرماتے ہوئے اپنے نام نامی واسم گرامی کی انگوٹھی بنوائی۔ آنجناب ﷺ کی یہ انگوٹھی جناب یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بنائی۔ دارقطنی میں ہے کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"انا صنعت للنبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاتما لم یشرکنی فیہ احد نقشت فیہ

محمد رسول اللّٰہ"

ترجمہ: کہ میں نے بغیر کسی کے اشتراک کے نبی کریم ﷺ کیلئے انگوٹھی بنائی، اس میں میں نے محمد رسول اللّٰہ کا نقش بنایا۔

ارشاد ہے "گویا کہ اس سفیدی کو حضور ﷺ کی ہتھیلی مبارک میں اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں" یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے دل ودماغ پر اتنا ایقان واستحضار حاصل تھا کہ گویا اس وقت بھی وہ سفیدی ان کی آنکھوں میں جلوہ آرا ہے۔ حضرت علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"و فی هذا اشارة الی کمال اتقانه و استحضاره

لهذا الخبر حال الحکایة کانه یخبر عن مشاهده"

"حلاوۃ المتعلمین" میں علامہ محمد عاقل صاحب فرماتے ہیں "دریں اشارت است بآنکہ فص نیز از سیم بود" یعنی اس میں اشارہ ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔

حدیث نمبر ۸۸/۵ حدثنا محمد بن یحیی حدثنا محمد بن عبداللّٰہ الانصاری حدثنی ابی عن ثمامة عن انس بن مالک قَالَ کَانَ نَقْشُ خَاتِمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سِطْرٌ وَ رَسُوْلُ سَطْرٌ وَ اللّٰہُ سَطْرٌ

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا نقش تین سطر میں تھا، ایک سطر میں محمد دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللّٰہ تھا۔

حل لغات نقش: کندہ

تشریح ارشاد ہے کہ "نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی (مبارک) کا نقش تین سطر میں تھا" اتحافات الربانیہ میں مصر کے مشہور محدث احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں:

ظاهر روایة البخاری ان محمدا فی السطر اول

رسول فی سطر الثانی ، و لفظ الجلالۃ فی السطر الثالث"

ترجمہ: یعنی یہ کہ پہلی سطر میں محمد دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں اللہ تھا، بایں طور

محمد

رسول

اللہ

ہندوستان و پاکستان کے مشہور و معروف محدث جناب محمد زکریا صاحب اپنی کتاب ''خصائلِ نبوی''

صفحہ ۶۹ پر لکھتے ہیں:

''علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت (محمد رسول اللہ) تھی کہ اللہ پاک کا نام سب سے اوپر تھا، یہ مہر گول تھی اور نیچے سے پڑھی جاتی تھی۔ مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے''

''المواہب اللدنیہ'' کے صفحہ ۶۵ پر حضرت العلامہ الشیخ ابراہیم محمد الجیجوری (المتوفی ۱۲۷۶ھ) لکھتے ہیں

''حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر کفی بالموت و اعظا حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کی انگوٹھی پر اللہ الملک جناب حذیفہ وابن الجراح رضی اللہ عنہما کی انگوٹھی پر الحمد للہ حضرت ابی جعفر الباقر علیہ السلام کی انگوٹھی پر العزۃ للہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی پر الثقۃ باللہ اور جناب مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی پر بسم اللہ کندہ تھا۔''

نیز لکھتے ہیں

وقد قال صلی اللہ علیہ والہ وسلم اتخذ ادم

خاتما و نقش فیہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی انگوٹھی پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نقش تھا۔

''نوادر الاصول'' سے نقل کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی انگوٹھی پر لکل اجل کتاب کا نقش تھا۔ ''معجم طبرانی'' میں مرفوعاً آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نگینہ آسمان سے ان کی طرف گرا اور انہوں نے اسے اپنی انگوٹھی میں لگوایا اس پر انا اللہ لا الہ لا الہ الا انا ، محمد عبدی و رسولی کندہ تھا۔

حدیث نمبر ۸۹/۶ حدثنا نصر بن علی الجھضمی ابو عمرو و انباء نا نوح بن قیس عن خالد بن قیس عن قتادہ عن انس اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَ قَیْصَرَ وَ النَّجَاشِیِّ فَقِیْلَ لَہٗ اِنَّھُمْ لَا یَقْبَلُوْنَ کِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُہٗ فِضَّۃٌ وَ نَقَشَ فِیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ترجمہ جناب انس سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کی طرف خطوط تحریر فرمائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بلا ریب وہ لوگ بغیر مہر شدہ خطوط قبول نہیں کرتے۔ نتیجتاً رسول کریم ﷺ نے انگوٹھی بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔

حل لغات صَاغَ: صَوْغٌ مصدر ہے جس کے معنی ڈھالنا، تیار کرنا، ہضم ہو جانا، زمین میں جذب ہو جانا کے ہیں، اِنْصِیَاغ، ڈھلنا، تیار ہونا۔ فَصَاغَ: تیار کروائی، بنوائی، ڈھلوائی۔

تشریح "یہ کہ نبی کریم ﷺ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کی طرف خطوط تحریر فرمائے" ان خطوط میں دینِ اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ جب کسریٰ کو یہ خط مبارک ملا تو اس بدبخت نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قیصر کو خط مبارک ملا مگر وہ ایمان نہ لایا۔ نجاشی کو خط ملا تو اس نے قبول کر لیا۔

حدیث نمبر ۹۰/۷ حدثنا اسحٰق بن منصور انباء نا سعید بن عامر و الحجاج بن منھال عن ھمام عن ابی جریج عن الزھری عن انس بن مالک اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ

ترجمہ انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی

انگوٹھی اتار لیتے۔

حل لغات اَلْخَلَاءُ: قضائے حاجت کی جگہ۔ نَزَعَ: نکال لیتے۔

تشریح اس حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے کہ چونکہ حضور پاک ﷺ کی انگشتری میں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی آتا تھا اس لئے حضور ﷺ اس نام معظم کی حرمت، عظمت، احترام اور ادب کی وجہ سے اس انگشتری کو بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اتار لیتے۔ اس لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی انگوٹھی پہن کر جس پر کوئی متبرک نام لکھا ہو بیت الخلاء میں جانا مکروہ لکھا ہے بعض تو فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمہ ہے۔

حدیث نمبر ۹۱/۸ حدثنا اسحق بن منصور حدثنا عبداللہ بن نمیر حدثنا عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قَالَ اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَّرَقٍ فَکَانَ فِیْ یَدِہٖ ثُمَّ کَانَ فِیْ یَدِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ ثُمَّ کَانَ فِیْ یَدِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ حَتّٰی وَقَعَ فِیْ بِئْرِ اَرِیْسٍ نَقْشُہٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ترجمہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، یہ آنجناب ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تھی پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پھر عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اریس کے کنویں میں گر گئی۔ اس کا نگینہ محمد رسول اللہ کے نقش کا تھا۔

حل لغات بِئْر: کنواں۔ اَرِیْس: کنویں کا نام ہے۔

تشریح ارشاد ہے "یہ آنجناب ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تھی" یعنی یہ انگوٹھی حضور ﷺ کے قبضہ اور تصرف میں تھی، پھر حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یعنی تقریباً دو سال چند ماہ، اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں یعنی دس سال اور چند ماہ قبضہ وتصرف میں رہی، پھر زمانہ امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جو کہ تقریباً بارہ سال رہا میں سے چھ سال تک آپ کے

قبضہ اور تصرف میں رہی۔ ''جمع الوسائل'' میں حضرت علامہ علی القاری رحمہ الباری فرماتے ہیں کہ یہ تینوں بزرگ ''ای للختم بہ او للتبرک ''اس سے مہر فرماتے یا تبرک کیلئے اپنے پاس رکھتے۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''فی الحدیث التبرک بآثار الصالحین و لبس ملا لبسھم و التیمن بھا ''

ارشاد ہے ''یہاں تک کہ اریس کے کنویں میں گر گئی'' مسجد قباء (جو کہ مدینہ اول ہے) کے قریب اریس کا کنواں ہے۔ سیدنا امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کو چھ برس گزرے تھے کہ یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے اس کنویں میں گر گئی۔ معقیب جو کہ سعید بن العاص کا آزادہ کردہ تھا یہ انگوٹھی اس کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلی آ رہی تھی، وہ اس کا امین تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے لی اور اتفاقاً ان کنویں میں گر گئی۔ امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے تین دن تک اس کنوئیں سے پانی نکلوایا اور بالکل تہہ تک صاف کروایا مگر انگوٹھی نہ ملی۔ حضرت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ''وسائل الوصول'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''باجوری کہتے ہیں اس انگوٹھی کے کنویں میں گرنے سے اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کا سلسلہ اب ختم ہو گیا اور فتنوں کا دروازہ کھلا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس انگوٹھی کے کنویں میں گرنے کے بعد مسلمانوں میں باہمی اختلاف شروع ہو گیا، ہر طرف فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں جو اتحاد اور یکجہتی قائم کی تھی وہ پارہ پارہ ہو گئی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نبی علیہ السلام کی انگوٹھی بھی حضرت سلیمان کی انگوٹھی کی طرح پر اسرار تھی۔ جیسے ان کی انگوٹھی گم ہوتے ہی ان کی سلطنت کا خاتم ہو گیا تھا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے گم ہونے سے نا اتفاق اور فساد کا دروازہ کھل گیا۔''

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ بزرگوں کی چیز تبرکاً رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا خلفائے راشدین کی سنت ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات دافع البلیات و مصائب ہوتے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ ذِكْرِ خَاتَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ پورا ہو گیا۔ (جاری ہے)

گزشتہ سے پیوستہ

دِرَاسَاتُ الْحَسَنِیّہ

شانِ اولیاءِ کرام

(قرآن واحادیث کی روشنی میں)

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سیدنا محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

میرے استاذِ محترم حضرت صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (آپ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب کے خلیفہ اور بہت بڑے ولی اللہ تھے) فرمایا کرتے تھے "ذرا ملایانہ طرزِ فکر سے ہٹ کر بات کروں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت فنافی الرسول تھے۔" دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا، لوگ تمیز نہیں کر سکتے تھے کہ ابوبکر صدیق کون ہیں اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ اسی طرح ہر صحابی کا اپنا مقام ہے اور پھر ہر ایک اپنے اپنے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے سوچتے اور دیکھتے تھے۔ اب "مقامِ ولایت" عطا فرمایا تو کسے یہ مقام جناب اسد اللہ الغالب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو نصیب ہوا اور فرمایا اَنْتَ وَلِیّ (یوسف: ۱۰۱) تو میرا ولی ہے --- اللہ اکبر، اللہ اکبر! ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قرآن پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ یہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے، علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا

ایں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال ہست و قدیم

یہ قرآن حکیم زندہ کتاب ہے اس کی حکمتیں ہمیشہ سے ہیں اور یہ فنا ہونے والی نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی قرآن حکیم کے احکامات کے مطابق عدل و انصاف قائم فرمائیں گے جو اولیاء اللہ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور خصوصیت کے ساتھ سورہ بقرہ، سورہ جاثیہ، سورہ حم السجدہ، نیز دسویں اور گیارہویں پارے میں تو جگہ جگہ اولیاء کرام کی شان بیان کی گئی ہے اور اسی قرآن میں ''اولیاء الشیاطین'' اور ''اولیاء الطاغوت'' کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اولیاء الطاغوت کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ لا یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ ۲۵۷)

ترجمہ: اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں، وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں، انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا وہ لوگ جو کافر ہیں جنہوں نے نہیں مانا۔ اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ ان کے دوست طاغوت ہیں۔ طاغوت یعنی غیر الٰہی طاقت، شیطانی قوت کو کہتے ہیں۔

اب آگے اللہ جل جلالہ کافروں کے ان دوستوں کے کرتوت بیان فرماتا ہے یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط انھیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ استاذِ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معلوم ہوا کہ اگر تم ان مصائب اور پریشانیوں میں پھنسے رہے، کائنات کے اس چکر میں گرفتار رہے اور اس سے باہر قدم نہ نکالا، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہے تو تم مقامِ ظلمت میں کھڑے ہو اور یہ مقامِ کفر ہے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج یہی لوگ دوزخی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ منافقین کے ولیوں کا ذکر کرتا ہے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْ م بَعْضٍ (وقف لازم)

یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ (التوبہ ۶۷)

ترجمہ: اور منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان میں سے بعض کے حمایتی ہیں حکم کرتے ہیں برائی کا اور منع کرتے ہیں نیکی سے۔

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں بعض ان میں سے بعض کے کام آنے والے ہیں۔ اب ان منافقین کے دوستوں کے کرتوت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ امر کرتے ہیں منکر کام کا، اللہ تعالیٰ نے جس کام سے منع کیا ہے یہ انہیں اس کام کے کرنے پر اکساتے ہیں۔ یعنی برائی کا حکم دیتے ہیں اور آگے فرمایا وَ یَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ اور نیکی سے روکتے ہیں یعنی ان کا کام ہے نیکی سے منع کرنا اور برائی کی تلقین کرنا اور اب اللہ جل جلالہ اولیاء اللہ کے کردار کا ذکر فرماتا ہے

وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ (وقف لازم)

یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ (التوبہ: ۷۱)

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔

یعنی ان کی شان یہ ہے کہ یہ برائی سے روکتے ہیں اور نیکی کا حکم کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور یہ ان کا معمول ہے اس دنیا کے اندر اس نظام کو چلانے کیلئے ان کا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم کرتے ہیں برائی سے روکتے ہیں، ہر وقت ذکر الٰہی کرتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی شان، ان کی عظمت اور ان کا مقام یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انبیاء کرام کو معجزات عطا فرمائے اسی طرح اولیاء کرام کو کرامت سے نوازا۔ بات آ گئی ہے معجزہ اور کرامت کی تو اب دونوں کی وضاحت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بیان کرتا ہوں آپ غور سے سنیں۔

پیارے محبوب سید دو عالم شفیع المذنبین، رحمت للعالمین ﷺ نے مدینہ منورہ میں جہاد کیلئے ایک لشکر ترتیب دیا اور آپ نے فرمایا، زید اس کا پہلا جرنیل ہوگا، پھر فرمایا جعفر بن ابی طالب اس کا دوسرا جرنیل ہوگا۔ پھر فرمایا عبداللہ بن رواحہ اس کا تیسرا جرنیل ہوگا اور پھر فرمایا چوتھا! جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ فتح دے وہ ہوگا --- اللہ اکبر، اللہ اکبر!

مسجد نبوی میں بیٹھ کر حضور ﷺ مدینہ منورہ سے ایک مہینے کی منزل پر واقع مقام پر جہاد کیلئے لشکر روانہ فرما رہے ہیں اور جرنیل بھی بالترتیب مقرر فرما رہے ہیں۔ اب مزاج شناسِ رسول جناب ابوبکر

صدیق ﷛ رو پڑے۔ جناب عمر فاروق ﷛ نے کہا، اے ابو بکر! کیوں روتا ہے، صدیق اکبر ﷛ نے فرمایا۔ میں اس لئے روتا ہوں کہ پہلے تینوں جرنیل شہید ہو جائیں گے۔ چنانچہ لشکر میدان جہاد میں پہنچ جاتا ہے اور آقائے نامدار ﷺ وہ ذرے ذرے کی خبر دینے والے نبی اکرم ﷺ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر بتر ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں زید شہید ہوا---پھر حضور فرماتے ہیں جعفر بن ابی طالب شہید ہوا--پھر فرماتے ہیں عبداللہ بن رواحہ شہید ہوا---اور پھر حضور نے فرمایا خالد نے تلوار لی "سیف من سیوف اللہ" اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، اللہ تعالیٰ اسے فتح دے گا---اللہ اکبر اللہ اکبر!

آپ غور فرمائیں کہ ایک مہینے کی منزل پر واقع میدانِ جنگ کا نقشہ پیارے محبوب ﷺ مسجدِ نبوی میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ فضاؤں میں اپنے نبی کا تصرف ملاحظہ فرمائیں کہ اسی وقت مسجدِ نبوی میں اسی منبر پر بیٹھ کر حضور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ وعلیک السلام، وعلیک السلام، وعلیک السلام تین بار فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ آپ نے کس کو سلام کا جواب دیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا، جعفر اڑ کے جنت میں جا رہا ہے، اس نے مجھے سلام کیا جس کا میں نے اسے جواب دیا ہے۔ اور اس دن سے حضرت جعفر کا لقب "طیار" پڑ گیا یعنی اڑنے والا، اسی سے طیارہ نکلا ہے یعنی جہاز۔

پیارے محبوب ﷺ کا تصرف صرف زمین اور فضاؤں تک ہی محدود نہیں بلکہ آسمانوں سے اوپر بھی آپ ﷺ اسی طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا رآیت جعفر۔ میں جعفر کو دیکھ رہا ہوں۔ لطیر فی الجنتہ کہ وہ جنت میں اڑ رہا ہے اور جنت کہاں ہے؟ ہمارے اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ ساتویں آسمانوں کے اوپر عرش عظیم کے نیچے جنت ہے۔ تو اب دیکھی آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان کہ آپ ایک مہینے کی منزل پر میدانِ جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرما رہے ہیں، فضاء میں حضرت جعفر کو اڑتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، جنت میں بھی حضرت جعفر کو اڑتے ہوئے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ یہ کیا ہے! یہ معجزہ ہے حضور پاک ﷺ کا۔ اور پھر پیارے محبوب ﷺ کے صدقے میں آپ کی اطاعت کے طفیل، آپ کی اتباع کی برکت سے معجزہ، کرامت کی صورت میں حضور کی امت کو نصیب ہوا، اور قیامت

تک اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور ہوتا رہے گا۔

اب کرامت کا ذکر صحابہ کرام کے حوالے سے آپ کو بیان کرتا ہوں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ آپ نے جہاد کیلئے لشکر تیار کیا اور جناب حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو اس کا جرنیل بنایا۔ اسے گھوڑے پر سوار کیا اور خود گھوڑے کی لگام تھامی اور مدینہ منورہ سے تین فرسخ تک ساتھ گئے اور لشکر کو ایران وعراق کی سرحد پر جہاد کیلئے بھیج دیا۔ یہ مقام بھی مدینہ منورہ سے ایک مہینے کی مسافت پر ہے اور مسجد نبوی میں جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہیں اور آواز دیتے ہیں **یا سارية الجبل** اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ کے لڑ۔ **یا سارية الجبل** اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ کے لڑ، **یا سارية الجبل** اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ کے لڑ۔

آپ غور فرمائیے کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر ایران وعراق کی سرحد پر میدانِ جنگ کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ تصرفِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیکھیں --- آج تو لوگ تصرف اولیاء کے منکر ہو گئے ہیں، یہ ذرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تصرف کا بھی انکار کریں --- جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ بغیر کسی وسیلہ کے یعنی ٹیلی فون یا وائرلیس سیٹ کے اپنی آواز ایک مہینے کی منزل پر پہنچا رہے ہیں اور جناب حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا ایمان دیکھیں کہ جونہی ان کے کان میں امیر المومنین کی آواز پہنچتی ہے تو وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں کہ کافر پہاڑ کی طرف آرہے تھے۔ اگر کافر پہلے پہاڑ پر چڑھ جاتے تو مسلمانوں کو شکست ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

حدیث مبارکہ کا یہ اگلا ٹکڑا انتہائی قابل غور ہے چنانچہ فتح کے بعد حضرت ساریہ مسجد میں آتے ہیں اور کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں یا امیر المومنین! میں ذرا جنگ کے واقعات بیان کرتا ہوں کہ کس طرح بہادری کے ساتھ مسلمان لڑے۔ جناب امیر المومنین نے فرمایا **یا سارية اسقط اجلس اتقی اللہ** اے ساریہ چپ رہ، بیٹھ جا، اللہ سے ڈر۔ فرمایا تو بیان کرتا ہے یا میں بیان کروں کہ کون بھاگا، کس نے کمر میں تیر کھایا اور کون سامنے سے آیا، سینے میں تیر کھایا --- اللہ اکبر اللہ اکبر! یہ کیا ہے؟ یہ کرامت ہے، یاد رکھو یہ معجزہ نہیں ہے، معجزہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کرامت کس کی ہے؟ ولی اللہ کی ہے!

جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ ولی کامل تھے لہٰذا ان سے کرامت کا صدور ہو رہا ہے اور کرامت کا سلسلہ تا قیامت یونہی چلتا رہے گا، دنیا کی کوئی طاقت، کوئی قوت اور مخالفت اسے ختم نہیں کر سکتی۔ اگر دنیا کے تمام لوگ جمع ہو جائیں اور کہیں ہم دنیا سے کرامت کو ختم کرتے ہیں تو وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

میرے استاذِ محترم فرماتے ہیں اس لئے کرامت کو ختم نہیں کر سکتے کہ کرامت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اگر کرامت ختم ہو جائے تو قرآن ختم ہو جائے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ نہ قرآن ختم ہوگا نہ کرامت ختم ہوگی، نہ ولی ختم ہوں گے اور نہ ہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ختم ہوگی۔

اب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک کرامت آپ کو بتاؤں۔ ایک مرتبہ لوگ آئے اور عرض کی یا ام المومنین! بارش نہیں ہوتی بہت زبردست قحط پڑا ہوا ہے، جانوروں کے دودھ خشک ہو گئے ہیں، بڑی تکلیف ہے۔ غور کرو کیا فرمایا ام المومنین رضی اللہ عنہا نے --- یہ نہیں فرمایا کہ جاؤ استسقاء کی نماز پڑھو۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کو میدان میں نکل کر نماز استسقاء ادا کرنے کا مشورہ دیتیں۔

سرِ راہ ایک مسئلہ کی وضاحت کرتا چلوں ایک تو آج کل ہماری بناوٹی استسقاء کی نمازیں ہیں کہ قصہ خوانی بازار میں تمبو (ٹینٹ) لگائے جاتے ہیں، فرش بچھائے جاتے ہیں، اس لئے کہ وزیر صاحب آ رہے ہیں اور پھر استسقاء کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہ دین کے ساتھ مذاق ہے، بدمعاشی ہے دین کے ساتھ۔ شرعی حکم یہ ہے کہ آبادی سے باہر جنگل کی طرف نکلو، پھٹے پرانے کپڑے پہن کر، منہ سیاہ کر کے برہنہ سر ہو کر اپنے جانوروں کو ساتھ لے کر ایسے مقام پر جاؤ جہاں پانی نہ ہو، وہاں استسقاء کی نماز پڑھو۔

تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا جاؤ! میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے اوپر چھت پر ایک بڑا سوراخ کر دو، لوگ حیران ہوئے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیا فرما رہی ہیں مگر گئے اور جا کے سوراخ کر دیا۔ ادھر سوراخ کیا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے بارش برسانی شروع کر دی، اتنی بارش ہوئی کہ اس سال کا نام عام الفتق پڑ گیا۔ عربی میں عام سال کو کہتے ہیں اور فتق پھٹنے کو کہتے ہیں یعنی اس سال جانوروں پر اتنی چربی آئی کہ جانوروں کے چمڑے پھٹنے لگے اور اتنا دودھ دینے لگے کہ

ختم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ حضرات علمائے کرام نے تحریر فرمایا یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کرامت ہے۔

اب جناب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامت سنئے۔ آپ کے وصال کا وقت ہے، اس دنیا سے تشریف لے جانے کا وقت ہے، بیوی کے شکم مبارک میں پانچ مہینے کا بچہ ہے، آپ نے فرمایا، میری لڑکی پیدا ہوگی اور میری میراث میں سے اس کا اتنا حصہ ہے، یہ بیت المال میں رکھ دو اور جب وہ پیدا ہو تو یہ حصہ اس کو دے دینا، کس کو معلوم ہے کہ رحمِ مادر کے اندر کیا ہے قرآن فرماتا ہے

وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ (لقمان: ۳۴)

ترجمہ: اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

مگر پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق، پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب، پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ فرما رہا ہے کہ میری لڑکی ہوگی۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد واقعی آپ کی لڑکی پیدا ہوئی اور وہ وراثت کا حصہ اسے ملا۔ یہ کیا ہے؟ یہ کرامت ہے، یہ خرقِ عادت ہے یعنی جو عقل، سمجھ، فکر اور علم میں نہ آئے اور نہ ہی محسوس کی جا سکے اور پھر وہ اسی طرح صادر ہو جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ولی کہہ رہا ہے یہ ہے کرامت۔ ہمارے اہل سنت نے لکھا کہ اولیائے کرام سے کرامت کا صدور حق ہے، ہر مومن اس کا اقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی پہچان کیلئے تمیز بھی بیان کر دی لکھا کہ جو مانتے ہیں وہ اہل سنت ہیں اور جو انکار کرتے ہیں وہ معتزلہ ہیں۔ یہ معتزلہ ایک فرقہ ہے جس نے کرامت کا انکار کیا۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضرت امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد تھا، اس کا نام واصل بن عطا تھا۔ یہ آپ سے علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ عالم بن گیا تو پھر اس نے امام صاحب کے مقابلہ میں مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر الگ درس کا حلقہ قائم کیا اور کہتا تھا جو مر گیا سو گیا، مٹی ہو گیا کوئی ثواب ہے نہ قبر کا عذاب ہے۔ معجزہ نہیں ہے، کرامت نہیں ہے، فلاں چیز نہیں ہے، یہ احادیث لوگوں نے

ایسے ہی بنائی ہوئی ہیں۔لوگوں نے حضرت امام مالک کی خدمت میں اس شخص کے نظریات وعقائد بیان کیے تو آپ نے فرمایا اعتزل واصل واصل کٹ گیا معتزلہ ہو گیا، نحن اھل سنة ہم اہل سنت ہیں۔

چنانچہ آج بھی حضرت امام مالک کو ماننے والے، حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد، حضرت امام احمد بن حنبل کے پیروکار اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ماننے والے اہلِ سنت کہلاتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی اگر کچھ لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو واصل بن عطا جیسے عقائد رکھتے ہوں تو سمجھ جاؤ کہ یہ معتزلہ ہیں، اہل سنت نہیں۔ جب کہ ہمیں جو کچھ حضور سے ملا ہے، ہم اسی پر چلنے والے ہیں، ہم اپنی عقل کی بات ماننے والے نہیں، ہمارا اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ:

قبر کے اندر حساب کتاب کیلئے فرشتے آتے ہیں

قبر کے اندر دوزخی کو اس کا مقام دیکھایا جاتا ہے

قبر ستر گز دونوں طرف کھول دی جاتی ہے

قبر جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا بنادی جاتی ہے

قبر کے اندر پیارے محبوب ﷺ کی زیارت ہوتی ہے۔

جہاں حضور نبی کریم ﷺ پہنچ جائیں وہ جگہ یقیناً جنت کا ٹکڑا بن جاتی ہے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے منبر اور میرے گھر کے درمیان جگہ جو ہے تو وہ روضہ من ریاض الجنة (متفق علیہ) جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ حضور اس مقام پر بیٹھ کر عبادت کرتے تھے۔ فرمایا کہ جو اس مقام پر آ کر عبادت کرے اور پھر قسم کھائے کہ میں نے جنت میں نماز پڑھی ہے تو اس کی قسم سچی ہے۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی کرامت کی کہ معتزلہ نے اس کا انکار کیا اور اہلِ سنت اس کو برحق مانتے ہیں اور اسلئے مانتے ہیں کہ یہ کرامت قرآن سے ثابت ہے، احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ معجزہ اور کرامت کا ظہور قدم قدم پر حضور پاک ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہوا۔

ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد دو صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے اور باتوں باتوں میں کافی دیر ہو گئی جب جانے لگے تو رات کی تاریکی بہت گہری ہو چکی تھی اور راستہ

دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک صحابی کے پاس جو لکڑی تھی حضور نے اپنے دست اقدس میں لی اور پھر جب صحابی کو واپس دی تو وہ بلب کی طرح روشن تھی۔ دونوں اس کی روشنی میں چل پڑے، تھوڑی دور جانے کے بعد دونوں کے گھروں کے راستے جدا ہو گئے اب لکڑی کون لے جائے اگر ایک لے جاتا تو دوسرا اندھیرے میں رہ جاتا۔ دوسرے صحابی کے ہاتھ میں بھی ایک لکڑی تھی اس نے اپنی لکڑی کو اس روشن لکڑی سے رگڑا تو وہ بھی روشن ہو گئی --- سبحان اللہ!

غور کریں بات پر، چراغ سے چراغ روشن ہو گیا ہے۔ جو ولی کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے ولی ہو جاتا ہے، جو نبوت کا دامن تھام لیتا ہے صحابی بن جاتا ہے۔ لکڑی میں یہ اثر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھ سے لگ کر روشن گئی --- اللہ اکبر! یہ کیا ہے؟ حضور ﷺ کا معجزہ ہے مگر اس دوسرے صحابی کیلئے کرامت ہے، اس کے ایمان و یقین کی بدولت۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر جناب امام الاولیاء حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے قلعہ کے عظیم الشان دروازے کو ایک پنجے میں پکڑا اور ولایت کی طاقت سے اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔ حضرات صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ جنگ کے خاتمہ پر ہم تین سو آدمیوں نے مل کر اس دروازے کو اٹھانا چاہا لیکن ہم اسے ہلا بھی نہ سکے۔ ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور ہم آپس میں محو گفتگو تھے کہ علی المرتضٰی اسے کس طرح ایک ہاتھ سے پکڑ کر باہر پھینک دیا۔ اتنے میں جناب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس کے متعلق باتیں کرتے ہو۔ جناب علی المرتضٰی کے متعلق علی کی طاقت نبی کی طاقت ہے اور نبی کی طاقت خدا کی طاقت ہے --- اللہ اکبر، اللہ اکبر!

آج کے اس مختصر سے درس میں آپ کے سامنے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں اولیاء کرام کا مقام، ان کی عظمت اور شان بیان کی ہے اور اس سلسلہ میں چند مثالیں بھی پیش کیں، وقت کی کمی کے باعث زیادہ مثالیں بیان نہیں کر سکتا ورنہ آپ حیران ہو جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء پر کتنا کرم فرمایا ہے۔ صرف ایک دو مثالیں بیان کر کے ختم کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد جناب حضرت ایشاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں "یہ ساری دنیا میرے سامنے اس طرح ہے جس طرح دستر خوان بچھا ہوا ہے اور دستر خوان پر قسما قسم کے کھانے چنے ہوئے ہوں۔ کہیں روٹی، کہیں چاول، کہیں کباب، کہیں ساگ اور کہیں دال پڑی ہوئی ہو اور میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔" یعنی پوری کائنات دستر خوان کی مانند نظروں کے سامنے ہے جب کہ آپ کے خلیفہ اور مرید جناب حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میرے لئے یہ تمام کائنات اس طرح ہے جس طرح انگوٹھے پر ناخن" یعنی تمام کائنات انگوٹھے کے ناخن کی طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں اور یہ قول نقل کرنے والا بھی کوئی معمولی آدمی نہیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف میں اسے نقل فرمایا ہے

نظرت الیٰ بلاد اللہ جمعاً

کخردلۃ علیٰ حکم اتصالٖ

(قصیدہ غوثیہ)

میرے غوث اعظم، قطب ربانی، محبوب سبحانی، سید شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یہ تمام دنیا میرے سامنے اس طرح ہے جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ --- اللہ اکبر۔ یہ ہے اولیاء اللہ کی شان اور یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما انا قاسم و اللہ یعطی (متفق علیہ) اللہ دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

جس کو جتنا چاہا عنایت فرمادیا، کتنا تصرف اور اختیار عطا فرمایا۔ میلوں پر پھیلی ہوئی پانی کی جھیل، انا ساگر سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کشکول میں بند کر دی۔ یہ مقام ہے اولیاء کا کہ وہ صاحبِ کرامت ہیں، صاحبِ بشارت ہیں، صاحبِ صلوٰۃ ہیں، صاحبِ ذکر ہیں، صاحبِ نہی عن المنکر ہیں، صاحبِ نور ہیں، صاحبِ خوف وحزن نہیں ہیں۔

الحمد اللہ! ہم اہل سنت ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ولایت برحق ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نظام قدرت کو چلانے کیلئے اولیاء اللہ کو پیدا کیا ہے۔ اگر ولی نہ ہوں تو یہ نظامِ قدرت نہ چلے، اولیاء اللہ اس نظامِ کائنات کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق چلا رہے ہیں۔

یاد رکھو! میرے دوستو...! یہ اولیاء اللہ کی جو محبت ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جس پر فضل وکرم فرماتا ہے اس کے دل میں اپنے اولیاء کرام کی محبت ڈال دیتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم: ۹۶)

ترجمہ: بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب رحمٰن ان کیلئے محبت کردے گا۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اپنے اولیاء کی محبت پیدا فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور بخشش ہے کہ وہ مقام ولایت کے ذریعے اپنے اولیاء کرام کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا فرما دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج صدیاں گزر چکی ہیں لیکن حضور سرکار بغداد رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وعقیدت دنیا کے کونے کونے، شہروں، دیہاتوں، محلوں اور گلی کوچوں میں آباد لوگوں کے دلوں میں آج بھی موجزن ہے۔ آخر میں برصغیر کے معروف ومستند عالم دین حضرت علامہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نقل کر کے ختم کرتا ہوں، آپ نے مشکوۃ شریف کی شرح ''مظاہر حق'' کے نام سے لکھی ہے

یہ الفاظ انتہائی غور طلب اور نوٹ کرنے کے قابل ہیں ''کرامت اولیاء کو بے قصد واختیار حاصل ہوتی ہے اور قصد واختیار سے بھی حاصل ہوتی ہے،'' یعنی ایک ولی ارادہ نہیں کرتا اور اس سے کرامت صادر ہو جاتی ہے اور ایک ولی چاہتا ہے کہ یہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی کر دیتا ہے۔ کرامت اولیاء اللہ کے اختیار میں ہے چاہے کرے، چاہے نہ کرے--- اللہ اکبر، اللہ اکبر! یہ ہے مقامِ ولایت۔

اللہ جل جلالہ ہمیں یہ مقامِ ولایت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ہاتھ ان لوگوں کے دامن سے خالی نہ کرے، ہمیں ان اولیاء اللہ کے دامن سے وابستہ رکھے اور اپنی پاک کلام پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے--- اللھم ربنا اٰمین!

(درس سوم پورا ہو گیا)

(درس کا سلسلہ جاری ہے)

نعت شریف

محمد خالد جذبی

رخِ فلک پہ جو روشن ہیں کہکشاں کے چراغ
یہ ہیں نقوشِ قدومِ شہ جہاں کے چراغ

ہوئی ہے صحن چمن میں حضور سے رونق
انہی کے دم سے فروزاں ہیں گلستاں کے چراغ

بہ فیضِ حسن ولائے محمد عربی
مثالِ ماہ، منور ہیں قلب و جاں کے چراغ

عطا ہوا ہے انہیں نورِ ماہِ طیبہ کا
زبانِ شوق پہ روشن ہوئے بیاں کے چراغ

زمیں کو ایسے ستارے حضور نے بخشے
کہ ماند جن کے مقابل ہیں آسماں کے چراغ

بجھا سکی نہ انہیں کفر و شرک کی آندھی
جلے جو سرورِ عالم کے آستاں کے چراغ

ہوا ہے ذکر شہ دو جہاں یہاں جذبیؔ
سدا رہیں گے فروزاں میرے مکاں کے چراغ

قسط نمبر ۲

نورِ مصطفیٰ وسیلہ نورِ ربّ العلیٰ

پرنسپل (ریٹائرڈ) الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں

''اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا کہ خود بخود جل اٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نورٌ علی نور ہے (یعنی ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی پھر اوپر سے فاعل یعنی آگ کے ساتھ اجتماع ہو گیا اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے اور پھر ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہو۔ ایسے موقع پر شعائیں ایک جگہ سمٹ کر بہت تیز روشن ہوتی ہیں اور پھر تیل بھی زیتون کا جو صاف روشنی اور دھواں کم ہونے میں مشہور ہے۔ تو اس قدر تیز روشنی ہو گی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہو گئی ہوں اس کو نورٌ علیٰ نور فرمایا۔ یہاں مثال ختم ہو گئی۔

پس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نورِ ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اسکا انشراح قبولِ حق کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کیلئے تیار رہتا ہے گویا بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہو کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کیلئے مستعد تھا۔ مومن بھی علم احکام سے پہلے ہی ان پر عمل کیلئے مستعد ہوتا ہے اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نورِ عمل یعنی عمل کے پختہ ارادہ کے ساتھ نورِ علم بھی مل جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے پس عمل اور علم جمع ہو کر نورٌ علیٰ نور صادق آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس نور ہدایت تک جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے اور ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی ہے اسی طرح قرآن میں بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں تو اس سے بھی لوگوں کی ہدایت مقصود ہے اسلئے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کیلئے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے (تا کہ مضامین عقلیہ

محسوس چیزوں کی طرح قریب الی الفہم ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

حضرت مولانا مفتی صاحب آیت نور کے معارف و مسائل کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الظاهر و بنفسه و المظهر لغيره یعنی خود اپنی ذات سے ظاہر و روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوتِ باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں جیسے آفتاب اور ماہتاب کی شعائیں ان کے مقابل اجسامِ کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعائیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ نور کا اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سب سے بری اور وراء الوریٰ ہے۔ اس لئے آیتِ مذکورہ میں حق تعالیٰ کیلئے لفظ نور کا جو اطلاق ہوا ہے اس کے معنی باتفاقِ ائمہ تفسیر منور یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر صیغہ مبالغہ کی طرح صاحبِ نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے صاحبِ کرم کو کرم اور صاحبِ عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے اور معنی آیت کے وہ ہیں جسے خلاصہ تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نور بخشنے والے ہیں آسمان و زمین اور اس میں بسنے والی مخلوق کو اور مراد اس نور سے نور ہدایت ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے۔ -- الله هادى اهل السمٰوٰت و الارض یعنی اللہ پاک ہدایت دینے والا ہے آسمانوں اور زمین کی مخلوق کو نورِ ہدایت کی طرف مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت مومن کے قلب میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ اسکی ایک عجیب مثال ہے۔

ابن جریر نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے

هو المومن الذى جعل الله الايمان و القرآن فى صدره فضرب الله مثله فقال الله نور السمٰوٰت و الارض فبداء بنور نفسه ثم ذكر نور المومن فقال مثل نور من امن به فكان ابى بن كعب يقرأها مثل نور من آمن به (ابن كثير)

یعنی یہ مثال اس مومن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نورِ ہدایت ڈال دیا ہے۔ اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط پھر قلب مومن کے نور کا ذکر فرمایا مَثَلُ نُوْرِهٖ اور اس آیت کی قرأت بھی حضرت ابی ابن کعب کی مَثَلُ نُوْرِهٖ کی بجائے مثل نور من امن به کی ہے اور سعید ابن جبیر نے یہی قرأت اور آیت کا یہی مفہوم حضرت ابن عباس سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مَثَلُ نُوْرِهٖ کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نورِ ہدایت جو مومن کے قلب میں فطرتاً رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ط یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر ہی مومن کی طرف راجع ہو جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے مومن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نورِ ہدایت کی مثال ہے جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے جس کا خاصہ خود بخود بھی قبولِ حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نورِ ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہوتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔ اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلبِ مومن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مومن ہی اٹھاتا ہے ورنہ وہ فطری نورِ ہدایت جو ابتدائے تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مومن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نورِ ہدایت رکھا جاتا ہے۔ اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم، ہر خطہ، ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود اور اس کی عظمت قدرت کو فطرتاً مانتا ہے اس طرف کی رجوع کرتا ہے اس کے تصور و تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ کے وجود کا ہر انسان فطرتاً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔ ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کل مولود یولد علی الفطرة یعنی ہر

پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں ۔اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ یہ ہدایتِ ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نورِ ہدایت کی وجہ سے اس میں قبولِ حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جب انبیاء اور ان کے نائبین کے ذریعہ وحی الٰہی کا علم ان تک پہنچتا ہے تو وہ ان کو بسہولت قبول کر لیتے ہیں۔ بجز ان ممسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں عطا نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمانوں والوں اور زمین والوں کو شامل ہے۔ مومن کافر کی کوئی تخصیص نہیں اور آخر آیت میں یہ فرمایا یَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ ط یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔ یہاں مشیتِ الٰہی کی قید اس نورِ فطرت کیلئے نہیں جو ہر انسان میں رکھا ہے بلکہ نورِ قران ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بجز اس خوش نصیب کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیقِ الٰہی بیکار بلکہ بعض اوقات مضر بھی پڑ جاتی ہے۔

نورِ نبی کریم ﷺ امام بغوی کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے (جو تورات و انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے) سے مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ط کی تفسیر کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ آپ کا سینہ مبارک اور زجاجہ (قندیل) آپ کا قلب مبارک اور مصباح (چراغ) نبوت ہے اور اس نورِ نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کیلئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اظہارِ نبوت و بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب وغریب واقعاتِ عجیبہ عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جن کو اصطلاح

محدثین میں ارہاصات کہا جاتا ہے کیونکہ معجزات کا لفظ تو اس قسم کے ان واقعات کیلئے مخصوص ہے جو دعوائے نبوت کی تصدیق کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں اور دعوائے نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو ارہاصات کا نام دیا جاتا ہے اس طرح کے بہت سے واقعات صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ اس سے زیتون اور اسکے درخت کا مبارک اور نافع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بے شمار منافع اور فوائد رکھے ہیں۔ اس کو چراغوں میں روشنی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی روشنی ہر تیل کی روشنی سے زیادہ صاف شفاف ہوتی ہے، اس کو روٹی کے ساتھ سالن کے طور بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کے پھل کو کھایا بھی جاتا ہے اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کیلئے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ خود بخود اس کے پھل سے نکل آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ ہے۔'' (رواہ البغوی والترمذی عن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً تفسیر مظہری)

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے ایک رہنما اور پیر طریقت مولانا محمد اکرم اعوان اپنی تفسیر موسوم بہ ''اسرار التنزیل'' کے صفحہ ۱۷۹ میں سورہ النور کی آیہ مبارکہ ۳۵ کا ترجمہ اور توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ --- وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی سا چمکتا ہوا تارہ ہے اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے (بڑی) روشنی پر روشنی (ہو رہی ہے) خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور خدا (جو) مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے (سمجھانے) کیلئے اور خدا ہر چیز (کی ماہیت) سے واقف ہے۔''

اسرار و معارف کے عنوان کے تحت مولانا محمد اکرم اعوان یوں رقمطراز ہیں

''اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ نور کا معنی ایسی چیز ہے جو از خود ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو۔ تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ تمام جہانوں میں حقیقی ذات اللہ کی ہے جو ہر ہر شے سے ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو روشن اور ظاہر کرنے والی ہے۔ تو یہ نور جو شے کے معنوں میں آئے گا اس کا اطلاق اللہ کی ذات پر نہ ہوگا بلکہ اس کی طرف سے عطا کی جانے والی روشنی پر ہوگا کہ اصل سارے نور اور روشنی کا مالک اللہ ہے۔ پھر اس کے نور کی اور روشنی بخشنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی طاق میں ایک روشن چراغ ہو اور وہ چراغ ایک قندیل میں ہو جو ستاروں جیسے شفاف اور چمکدار شیشہ کی بنی ہو۔ پھر اس چراغ میں بہت ہی قیمتی اور شفاف تیل ہو جو زیتون جیسے بابرکت درخت کا ہو کہ سب تیلوں سے زیادہ روشن، سب سے اچھی غذا اور سب سے اچھی مالش نیز بغیر دھوئیں کے جلنا، یہ سب خصوصیات زیتون کے تیل میں ہیں اور اللہ نے اس میں برکت بھی رکھی ہے۔ یہ ایک اضافی خصوصیت ہے پھر وہ تیل ایسے درخت کا ہوگا جو میدان کے عین درمیان میں ہو اور طلوع سے لے کر غروب تک اس کے اور سورج کے درمیان کوئی آڑ نہ ہو۔ یعنی ایسے اعلیٰ درخت سے نفیس ترین تیل لیا گیا جیسے وہ روشنی دینے کو یوں تیار ہو کہ گویا آگ کے چھوئے بغیر جل اٹھے گا اور جب آگ چھو جائے تو روشنیاں بکھیر دے۔''

ایک دوسرے عنوان ''حضرت محمد ﷺ'' کے تحت حضرت العلامہ محمد اکرم اعوان یوں لکھتے ہیں:

''اس کی مثال آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا قلب اطہر اور نور مبارک ہے کہ فطری طور پر ایسا صالح، ایسا شفاف، ایسا روشن کہ قبل از بعثت بھی بے شمار کمالات کا اظہار ہوا جن سے انسانیت کو بھرپور فوائد بھی نصیب ہوئے اور ایسے عجیب و غریب واقعات بھی دنیا میں ظاہر ہوئے جو حضور ﷺ کی عظمت اور نبوت و رسالت کی خبر دیتے تھے جن کی تفصیل تفاسیر کے علاوہ کتب سیرت میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اور مزاج کی مثال ایسی کہ حکم ملنے سے قبل تعمیل پر آمادگی موجود اور بعثت سے پہلے آپ کی ذات گرامی سے فوائد کا ظہور، ماحول، معاشرے اور انسانیت کیلئے اور جب بعثت ہوئی تو گویا اس چراغ کو جو ایک خوبصورت قندیل ایک بلند طاق میں تھی اور جس کا روغن نہایت اعلیٰ تھا شمع بنا دیا گیا جس نے چار دانگ

عالم کو بلکہ اللہ کی ساری کائنات کو روشن کر دیا --- صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔"

"مومن کا نور" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

"یہی مثال مومن کے نور کی ہے کہ اس کے مزاج میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطری روشنی ہوتی ہے۔ جل اٹھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جب اسے نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے تو گویا اس چراغ کو کسی نے شعلہ دکھا دیا اور پھر وہ نہ صرف خود بلکہ انسانیت کیلئے روشنی بن کر انسانی فلاح اور ہدایت کا سبب بنتا ہے۔ جہل اور ظلم کی تاریکیاں مٹاتا اور نورِ ایمان کی روشنیاں، عدل و انصاف کی روشنیاں بانٹتا ہے اور جب ایسے خوش نصیب صحبتِ شیخ پاتے ہیں تو گویا سینہ بھڑک اٹھتا ہے، دل سورج کی مانند بن جاتا ہے اور یوں ایک جہان کیلئے روشنی کی مینار بن جاتے ہیں۔ یہی اسلامی تصوف ہے کہ نورِ نبوت سے مسلمانوں کے سینوں میں دھرے چراغوں کو روشن کر کے انسانیت کے راستوں پر سجا دیا جائے۔

شیخ کی صحبت

صوفی پر لازم ہے کہ خود اتباعِ شریعت کا بہترین نمونہ ہو اور نفاذِ شریعت کیلئے بہترین کارکردگی دکھائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے (اسے) اس دولت سے سرفراز فرماتا ہے ورنہ لوگ محرومی کی موت مر جاتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ قرآن کریم نے جگہ جگہ یہ بتا دیا ہے کہ اللہ ہر اس بندے کو راستہ دکھا دیتا ہے جس کے دل میں راستہ دیکھنے کی طلب ہو کیونکہ فطری طور پر ہر انسان میں ہدایت کی طلب اور نورِ فطرت رکھا جاتا ہے جیسے ارشادِ نبوی ہے کہ ہر بچہ فطرت پہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ یعنی انسانی کردار والدین کی برائی اور معاشرے کے برے حالات اس کا طاق گرا دیتے ہیں، قندیل توڑ دیتے ہیں، چراغ کے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور تیل ضائع ہو جاتا ہے یعنی فطری استعداد کھو جاتی ہے۔ یہ برائی کا وہ اثر ہے جو آنے والی نسلوں پر مرتب ہوتا ہے لہٰذا جن سے یہ فطری نور ہی بجھ چکا ہو انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور اللہ تو محض اپنے بندوں کو سمجھانے کیلئے مثال بیان فرماتے ہیں کہ بات ان کے فہم میں آسکے ورنہ اللہ تو ہر شے کا کامل علم رکھتا ہے۔

اہل اللہ کے ٹھکانے، مساجد و خانقاہیں

اور ایسے روشن سینے اور چراغوں کی مانند قلوب

رکھنے والے لوگ کہاں پائے جاتے ہیں؟ ایسے گھروں میں جن کو بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی جن کی تعمیر کا حکم بھی ہے اور جن کی عظمت و احترام کا بھی کہ اگر ذاتی شہرت کیلئے نہ ہو تو شاندار مسجد کی تعمیر اور مساجد کی تزئین خوبصورتی، صحابہ اور تابعین سے حضرت عثمان سے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ثابت ہے۔ نیز مساجد کے آداب کہ ان کی عظمت برقرار رہے بھی۔ ارشادات نبوی سے واضح ہے کہ انہیں پاک صاف رکھا جائے، کوئی ناپاک وجود لے کر اندر داخل نہ ہو، کوئی ناگوار بو اندر استعمال نہ کی جائے حتی کہ بدبودار تیل نہ جلایا جائے۔ لہسن پیاز وغیرہ کی بو منہ سے نہ آئے۔ ایسے ہی سگریٹ اور حقہ کی ناگوار بُو لے کر مسجد میں داخل نہ ہو یا کسی سے بیماری وغیرہ کے باعث بو آتی ہو تو مسجد نہ جائے۔ نیز مساجد میں شور و غل نہ کیا جائے، دنیا کی باتیں نہ کی جائیں تاکہ بنائی بھی خوبصورت جائیں اور احترام میں بھی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ نیز وہاں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جائے جس میں تمام طرح کا ذکر شامل ہے، عملی بھی، لسانی بھی اور خفی اور قلبی بھی۔ نیز جو حجرے ذکر اللہ کیلئے خاص تعمیر ہوں گے ان کے احکام بھی یہی ہوں گے اور اسی ادب و احترام کے مستحق ہوں گے نیز ایک حد تک مدارس اور تعلیم دین کیلئے کام کرنے والے ادارے بھی احترام کا حق رکھتے ہیں اگرچہ مسجد یا محفل ذکر کے درجہ پر نہ ہو مگر دینی ادارے ایک خاص عظمت کے امین ہیں۔ ان گھروں یعنی مساجد میں صبح و شام یعنی ہر آن اللہ کا ذکر ہونا چاہئے اور اللہ کی تسبیح و تحمید ہوتی رہے۔ یہ ذاکرین ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ کی یاد، اس کے ذکر، اس کی عبادت و اطاعت اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنے سے دنیا کا کوئی مفاد یا ذاتی کوئی غرض روک نہیں سکتی اور ہر آن اللہ کا ذکر کرنے کے باوجود اس کی بے نیازی سے ڈرتے ہیں اور یوم حساب کی سختی کو یاد رکھتے ہیں جس روز بڑوں بڑوں کے پتے پانی ہو جائیں گے، دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں پتھرا جائیں گی مگر وہ امید رکھتے ہیں اور عملاً کوشاں رہتے ہیں کہ اس روز انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدل عطا ہو اور اللہ اپنے کرم سے اس پر زیادتی اور بڑھوتی کردے کہ اللہ کی شان تو یہ ہے کہ جسے چاہے اتنا عطا کردے کہ وہ کسی حساب و کتاب کی قید میں نہ آسکتا ہو اور جن لوگوں نے وہ نورِ فطرت کھو دیا برائی، بدکاری اور حرام غذا نے دل سیاہ کردیئے حتی کہ نورِ نبوت سے بھی روشنی نہ پاسکے اور اندھیروں میں گم رہ کر کافر ہوئے۔'' (جاری ہے)

قسط نمبر ۸

روحِ اسلام (تصوف)

حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ

مراتب السلوک

جاننا چاہیے کہ سلوک بندہ سے اللہ کی طرف سیدھا اور سچا راستہ ہے یعنی صراط المستقیم ہے اور اس راستہ کے مختلف مراتب ہیں۔ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام قدس اللہ اسرارھم نے ان کا بیان اپنی کتب میں فرمایا ہے۔ چونکہ اسلام اور اس کی روح یعنی تصوف کی بنیاد کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ہے اور سلوک کی ابتدا اور انتہا یہی کلمہ طیبہ اور اس کا حال ہے اس لئے یہاں اس کلمہ کے معانی کی بنیاد پر سلوک کے مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ کلمہ طیبہ کے دو بڑے جزو ہیں یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور پھر ایک جزو کے دو دو جزو ہیں یعنی لَا اِلٰهَ --- اِلَّا اللّٰهُ ۔ مُحَمَّدٌ --- رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ لَا اِلٰـهَ یعنی نہیں کوئی الہ، یہ نفی ہے۔ اِلَّا اللّٰهُ صرف اللہ ہی الہ ہے، یہ اثبات ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور چونکہ تفاسیر القرآن اور کتبِ تصوف میں الہ کے معنی معبود، مقصود، مشہود اور موجود کے ہیں اور کلمہ طیبہ کے ذکرِ جہر اور ذکرِ خفی میں یہی معانی ملحوظ رکھے جاتے ہیں اسلئے یہاں سلوک کے چار بڑے مراتب یعنی وحدت المعبود، وحدت المقصود، وحدت المشہود اور وحدت الوجود کا بیان ہے۔ ان کو توحید کی وادیاں بھی کہتے ہیں اور ہر ایک وادی میں جزوی وادیاں ہیں۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ذکر کو نفی اثبات کہتے ہیں۔ اس لئے ہر مرتبہ میں غیر اللہ کی نفی اور اللہ کا اثبات دونوں کرنے ہوں گے۔ ان سب وادیوں سے گزرنے کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی دونوں وادیوں

سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے بعد ہی مقامِ استقامت یعنی بقاباللہ پر فائز المرام ہوگا۔

وحدت المعبود اس وادی میں پھر تین وادیاں ہیں:

۱۔ الٰہ: عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ صرف وہی الٰہ ہے یعنی عبادت اسی کی ہے۔ حمد اور ہر طرح کی تعریف کے لائق وہی ہے۔ ہر طرح کی تعظیم، ہر طرح کی تسبیح، پاکی اور تنزیہ، ہر طرح کا ادب اور تکریم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اگرچہ ظاہر کسی اور کیلئے ہیں مگر حقیقتاً اسی کیلئے ہے کیونکہ اس کے حکم کی تعمیل میں ہے۔ مثلاً والدین کی، استاد کی، پیر کی تعظیم۔

اور الٰہ کے دوسرے معنی کے اعتبار سے اعتماد، بھروسہ اور توکل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پس مسلمان صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد، بھروسہ اور توکل کرتا ہے اور الٰہ وہ ہے جس کی طرف مصیبت، تکلیف او ر پریشانی میں رجوع کیا جائے۔ پس سالک مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی بارگاہ میں زاری اور فریاد کرتا ہے۔

۲۔ خدا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ خدا کا لفظ عربی زبان میں مولیٰ کا ہم معنی الٰہ کے تحت آتا ہے۔ حکم صرف اسی کا ہے کہ ان الحکم الا اللّٰہ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کا --- اختیار کلی صرف اسی کا ہے۔ پس نفع اور نقصان، راحت اور ضرر، صحت اور بیماری، دینا اور نہ دینا اور کم یا زیادہ دینا، زندگی اور موت، حتیٰ کہ ذرہ برابر فائدہ اور ذرہ برابر نقصان صرف اور صرف اسی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے حکم سے ہے کہ "لا تتحرک ذرہ الا باذن اللّٰہ" یعنی ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا۔ ہر حرکت اور سکون اسی کے حکم سے ہے پس مومن صرف اسی سے ڈرتا اور اسی سے امید رکھتا ہے، نفع اور نقصان اسی سے دیکھتا ہے۔

۳۔ رب صرف اور صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے، وہی خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے اور وہی پالنے والا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ : ۲۱)

"اے لوگو! اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے ہو گزرے

ہیں تا کہ تم متقی بن جاؤ یعنی صاحب ایمان وعمل بن جاؤ یعنی انسان، حقیقی انسان کامل بن جاؤ۔“

رب بہت جامع اسم ہے، اس کا لغوی معنی پروردگار ہے مگر اصطلاحی معنی کے لحاظ سے پیدا کرنے والا، پالنے والا، رزق دینے والا (جتنا چاہے) اپنی خلق سے شفقت کرنے والا۔ اسی لئے فرمایا ”الخلق عیال اللہ“ یعنی خلق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے حالانکہ وہ کنبہ سے پاک ہے۔ مطلب یہ کہ جیسے والدین اپنے عیال پر شفیق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بھی کئی گنا زیادہ شفیق ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ستر ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے۔ اسی شفقت سے ان کی پرورش فرماتا ہے، رزق بہم پہنچاتا ہے، رزق صرف اور صرف اسی کے دست قدرت میں ہے جسے جتنا چاہے دیتا ہے۔ زیادہ بھی وہی کرتا ہے کم بھی وہی کرتا ہے۔ پس جو شخص خدا کے سوا کسی اور کو رازق جانے یا زیادہ کرنے کا مختار جانے وہ شرک وکفر کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ بظاہر خواہ کسی کی وجہ، وسیلہ، ذریعہ سے ہو مگر حقیقت میں وہی اللہ رازق ہے، وہی زیادہ کرتا ہے، وہی کم کرتا ہے کسی کو ملازمت کے ذریعہ سے اور کسی کو کاروبار کے ذریعہ سے رزق دیتا ہے، دینے والا صرف وہی ہے پس اس پر بھروسہ اور توکل کرنا چاہئے

گر توکل مے کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ بر جبار کن

یعنی توکل یہ ہے کہ کسب حلال کرے مگر رازق اسی اللہ تعالیٰ کو جانے۔

وحدت المقصود کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معنی اول یعنی ”نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ ہی معبود ہے“ کی تھوڑی سی شرح بیان ہوگئی ہے۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا دوسرا معنی ہے ”نہیں کوئی مقصود مگر اللہ ہی مقصود ہے“ یعنی سالک کا مقصود اور مطلوب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کی عبادت، اسی کی طلب اور اسی کا قصد انسان کا مقصد تخلیق اور مقصد حیات ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کردی ہے، فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (زاریات ۵۶) یعنی میں نے نہیں پیدا کیا جن اور انسان کو سوائے اسکے کہ وہ میری عبادت کریں اور چونکہ عبادت بغیر معرفت کے صحیح نہیں

ہوتی اسلیئے عارفین محققین نے لِیَعْبُدُوْنِ کے معنی لِیَعْرِفُوْن بھی فرمائے ہیں پس انسان کا مقصد حیات متعین ہو گیا۔ پس سالک کا مطلوب اور مقصود اللہ تعالیٰ ہے۔

زندگی کا مقصد اس کی طلب، اس کی معرفت کا حصول اور اسی کے وصال کا قصد ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بندہ کی خدا سے وصال کی بات جب کی جاتی ہے اس سے مراد جسمانی وصال بلکہ روحانی وصال بھی نہیں ہے کیونکہ خدا نہ جسم ہے اور نہ روح۔ اس سے مراد بندہ کا اپنی خواہش سے جملہ مخلوق کے تعلق سے، اپنی آرزو اور اپنے ارادہ سے فنا ہو کر اللہ تعالیٰ کی مرضی، خوشنودی اور ارادہ میں ہمہ تن اور ہمہ وقت محو اور مستغرق ہو جانا ہے۔

اس وادی میں بھی تین وادیاں ہیں:

۱) مطلوب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ سالک کی ساری تگ و دو اور جد و جہد طلبِ مولیٰ ہے۔ طلب صادق اور شدید ہونی چاہئے۔ اس کی مثال تو نہیں دی جاسکتی مگر سمجھنے کیلئے اگر کہیں کہ جیسے پیاسے کو پانی کی اور پیاس کی شدت کا یہ عالم ہو کہ زندگی اور موت کی سی حالت ہو۔

۲) مقصود صرف اور صرف حق تعالیٰ ہے۔ سالک نے اپنی زندگی کا مقصد ہی طلبِ مولیٰ اور خوشنودی اور رضا جوئی خداوند تعالیٰ کو بنا لیا ہے۔ ہمہ وقت، ہمہ جہت اور ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے سالک کا یہی شغل اور یہی مصروفیت اور یہی کام ہو۔ جسمانی اور روحانی لحاظ سے ہر وقت اسی میں مشغول رہے۔ اس کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، جاگنا، سونا حتیٰ کہ ہر حرکت حتیٰ کہ زندگی اور موت اسی کیلئے ہو۔

۳) محبوب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ سالک اگر پہلی دو وادیاں کامیابی سے طے کر لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جائے گی اور اس پر یہ منکشف ہو گا کہ ایمان ہے اللہ تعالیٰ سے محبت بلکہ شدید محبت جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی مومنین کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے اور یہ بھی منکشف ہو گا کہ محبت کا مستحق ہی صرف اور صرف حق تعالیٰ ہے جیسا کہ حضرت رابعہ بصری قدس سرہا فرماتی ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی محبت کا مستحق ہے پس محبوب حقیقی اور تحقیقی صرف اور صرف حق تعالیٰ ہی ہے۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے محبت کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

وحدت المشہود کلمہ طیبہ کا تیسرا معنیٰ ''لا مشہود الا اللہ'' ہے یعنی جملہ عالم میں اللہ تعالیٰ کا ہی شہود ہے یہی وحدت شہود ہے، صرف وہی ظاہر ہے، جملہ موجودات اسی ایک ہستی کے مظاہر ہیں۔

سالک کو اس حقیقت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لوائح میں فرماتے ہیں

''جمیل علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ جمال و کمال جو موجودات کے تمام مراتب میں ظاہر ہے اسی کے جمال و کمال کا پرتو ہے جو وہاں منعکس ہو رہا ہے اور ارباب مراتب (جو ان مراتب موجودات میں ہیں) نے اس کے ذریعہ نشانِ جمال اور صفتِ کمال پائی ہے تو جس کسی کو دانا جانتا ہے یہ اس کی دانائی کا اثر ہے اور جہاں کہیں بینائی دیکھتا ہے یہ اس (اللہ تعالیٰ) کی بینائی کا پرتو ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام اس کی صفات ہیں جنہوں نے کلیت و اطلاق کی بلندی سے تنزل فرما کر جزیت و تقید کی پستی میں جلوہ دکھلایا ہے (تجھ کو چاہئے) کہ تو جزو سے کل کی طرف روانہ ہو اور تقید سے اطلاق کی طرف توجہ کرے نہ یہ کہ جزو کو کل سے الگ سمجھے اور مطلق کو چھوڑ کر مقید میں رہ جائے۔''

(لائحہ پنجم) اور لائحہ ششم میں فرماتے ہیں

''پس کوشش کرنی چاہئے اپنے آپ کو آپ سے چھپانے کی اور اسی ذات کی طرف متوجہ ہونے کی۔ اسی حقیقت میں مشغول ہونے کی کہ موجودات کے تمام درجات اسی کے جمال کے مظہر اور کائنات کے تمام مرتبے اسی کے کمال کا آئینہ ہیں۔ اور تو اس نسبت پر اس قدر مداومت کر کہ تیری جان اس میں گھل جائے اور (من تو شدم تو من شدی) کا مصداق ہو جائے اور تیری ہستی تیری نگاہ میں باقی نہ رہے۔ (یہاں تک) کہ اگر تو اپنی طرف دیکھے تو ایسا معلوم ہو (گویا) اسی کی طرف دیکھ رہا ہے اور جب اپنے بارے میں کچھ کہے تو (گویا) اس کے بارے میں کہہ رہا ہے (غرض یہ کہ) مقید مطلق ہو جائے اور انا الحق ھو الحق ہو جائے۔ لوائح جامی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے

گر در دل تو گل گزرد گل باشی	ور بلبل بے قرار بلبل باشی
تو جزوی وحق کل است گر روزے چند	اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی''

جاننا چاہئے کہ وادیٔ مشہود کی بھی تین وادیاں ہیں:

۱) لا معروف الا اللہ: مشہود کے شہود کیلئے ضروری ہے کہ اسکے متعلق تفصیلی علم ہو، رسمی علم نہیں بلکہ معرفت ہو، وہ معرفت وہ عشق کے ثمرہ کے طور پر معشوق کا عطیہ ہے یہ کسبی نہیں وہبی ہے ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کردے اس معرفت کے ساتھ یا اس حقیقت بین آنکھ کے ساتھ معشوق کا مشاہدہ ہے اور معرفت کی کچھ تفصیل باب معرفت میں بیان ہو چکی ہے۔

۲) لا محسوس الا اللہ: یعنی اللہ کے سوا کوئی محسوس نہیں۔ معرفت کی آنکھ سے مشاہدہ محبوب کے بعد عشق اس حد تک بڑھتا ہے کہ معشوق محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو بلا قصاص ہے، وہ حال ہے جو بلا زوال ہے، اس کی کوئی مثال نہیں جب تمہیں اس کا حال ہوگا تو معلوم ہو جائے گا۔

۳) لا مشہود الا اللہ: سالک کو اس وادی کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نظر آتا ہے، نہ کچھ محسوس ہوتا ہے اور نہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ کے مصداق نظارہ ہوتا ہے۔ جدھر منہ پھیرو ادھر اللہ ہی کا چہرہ ہے۔ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔ تجلی تیری ذات کا سو بسو ہے پس حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''فصوص الحکم'' شریف میں فرماتے ہیں کہ نہیں نظر پڑتی کسی شے پر مگر پڑتی ہے اللہ پر

فلا تنظر العین الا الیہ

ولا یقع الحکم الا علیہ

پس نہیں نظر کرتی کوئی آنکھ مگر طرف حق تعالیٰ کے اور نہیں واقع ہوتا حکم مگر واسطے حق تعالیٰ کے (فص نمبر ۱۰ فی کلمہ ھودیہ)

۴) وحدت الوجود: کلمہ طیبہ کا حقیقی معنی یعنی نہیں کوئی موجود مگر اللہ ہی موجود ہے۔ یہ وہ وادی ہے جو بہت کٹھن ہے، تقریباً غیر مدرک ہے، نا قابل بیان ہے، کوئی زبان اس کے بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ سب بیانات اشارے اور کنائے اور استعارے ہی ہیں۔ اصل بیان نہیں کیونکہ تقریباً ناممکن البیان ہے

در تنگنائے حرف نہ گنجد بیان ذوق

تاہم طالبانِ حقیقتِ ازلی و عاشقانِ محبوبیتِ ازلی لم یزلی کیلئے چند اشارے اور استعارے پیش خدمت ہیں

۱) لا وجود الا اللہ: یعنی اللہ کے سوا اور کسی کیلئے وجود نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ کے سوا وجود کا کوئی دوسرا اہل ہی نہیں۔ جو اہل ہی نہیں وہ موجود کیسے ہو سکتا ہے پس وجود واحد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وجود اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ ذاتی صفات سبعہ سے پہلی صفتِ حیات یعنی وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا اس سے متصف ہو ہی نہیں سکتا پس وجود واحد ہے۔ پس حق تعالیٰ واجب الوجود ہے، موجود فی نفسہ وبذاتہ ہے یا موجود بالذات ہے پس قیوم ہے یعنی قائم بالذات ہے۔

تیسری وجہ یا دلیل یہ ہے کہ ثبوتِ وجود بلا واسطہ ہے، بالواسطہ نہیں۔ عقلی یا علمی ثبوت نہیں بلکہ حسی و شہودی ثبوت ہے۔ اسی لئے فرمایا حضرت شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ نے

"الحق محسوس و مشہود (فالموجود) و الخلق معقول و مرحوم (فالمعدوم)"

یعنی حق تعالیٰ محسوس و مشہود ہے پس موجود ہے اور خلق معقول (یعنی عقل سے ثابت ہے اور موہوم (یعنی وہمی) ہے پس معدوم ہے یعنی لاشے ہے، عدم ہے اور نیز علماء ظواہر خلق سے حق کو ثابت کرتے ہیں مگر علماء حق، حق سے خلق کو جانتے ہیں۔ حضرت ابو حفص حداد قدس سرہٗ فرماتے ہیں وہ شخص اندھا ہے جو اشیاء سے خدا کو پہچانتا ہے۔ بینا وہ ہے جو خدا سے کائنات کو جانے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ خدا حاضر ہے ناظر ہے غائب نہیں۔ خدا ظاہر ہے باہر ہے پوشیدہ نہیں کیونکہ حق ظاہر اور واضح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ حق ہے۔ خدا تیرے سامنے ہے تو اسے دیکھ رہا ہے وہ تجھے دیکھ رہا ہے اسی لئے حدیث شریف ہے "ان تعبد اللہ کانک تراہ و ان لم کن تراہ فانہ یراک "یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا (یعنی یہ تیرا حال نہیں) تو یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ تو خدا کو دیکھتا ہے، اس پر ایمان لا اور یقین کر لے تو تو اسے ضرور دیکھے گا ورنہ وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے۔

حضرت احمد انطا کی قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کو خدا کا اشتیاق ہے، فرمایا نہیں۔ کہا کیوں؟ فرمایا ''اشتیاق غائب کا ہوتا ہے اور وہ حاضر ہے (اور بندہ عرض کرتا ہے اشتیاق حصول و وصول کا ہوتا ہے اور وہ معاً حاصل ہے)۔

اور پانچویں دلیل یہ ہے کہ صدق یعنی سچ سب سے اعلیٰ صفت اور کمال ہے اور سب سے بڑی سچائی حق تعالیٰ کا وجود ہے اور چونکہ سچائی صرف ایک ہے (باقی سچائیاں اسی ایک سچائی کا جز و یا پرتو ہیں) پس موجود ایک ہے۔

۲) لا موجود الا اللہ: یعنی نہیں کوئی موجود مگر صرف اللہ ہی موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ وجود ایک ہے تو پھر لامحالہ موجود ایک ہے۔ ظہور کا نام وجود ہے، جو بطون میں ہے وہ عالم حس وشہادت میں ظہور میں آجائے وہ موجود ہے۔ موجود باطن اور ظاہر کا جامع ہے جو باطن میں وجود ہے وہ ظاہر میں آکر موجود ہے۔ بیشک وجود تو بطون میں بھی ہے اور ظاہر میں بھی مگر اسم موجود کا اطلاق وجود کے ظاہر پر ہے۔ پس جو ظاہر نہیں وہ بھی وجود ہے اور جو ظاہر ہے وہ بھی وجود ہے۔ اس لئے اس ضمن میں عدم کے معنی عدم محض یعنی لاشئے نہیں بلکہ بطون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''فتوحات مکیہ'' از شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ کے دیباچہ کے پہلے فقرہ کے ہی معنی میں علماء غلطی کر جاتے ہیں اور وہ فقرہ یہ ہے'' **الحمد للہ اوجد الاشیاعن عدم و عدمہ** ''یعنی سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے اشیاء کو ایجاد کیا عدم سے اور عدم کے عدم سے۔ اب اگر عدم کا معنی لاشئے کیا جائے جیسا کہ علماء ظواہر کرتے ہیں تو یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ عدم محض سے اشیاء کیسے ایجاد یا پیدا کی گئیں۔ پس اصل معنی یہ ہے کہ عدم سے مراد باطن ہے اور عدم العدم سے مراد باطن کا باطن ہے۔ پس اس فقرہ کا یہ معنی ہوا کہ سب تعریف واسطے اللہ کے جو اشیاء کو بطون سے ظہور میں لایا اور صوفیاء کرام کے نزدیک فعل خلق کا معنی بھی یہ ہے کہ جو باطن میں تھا وہ ظاہر میں لایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''**کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق** ''یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تھا ایک خزانہ پوشیدہ پس مجھے محبت پیدا ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے عالم کو خلق کیا (یعنی بطون سے ظہور میں لایا)۔ تصوف کی اصطلاحات میں پہلا باطن عین ثابتہ ہے جس کے ظاہر کو عین خارجہ

کہتے ہیں اور عین ثابتہ کا باطن وہ اسم الٰہی ہے جس کا مظہر عین ثابتہ ہے پس عین خارجہ جو نظر آرہا ہے اس کا باطن عین ثابتہ ہے اور عین ثابتہ کا باطن وہ اسم الٰہی ہے جس کا یہ عین ثابتہ ہے پس ہر شے کسی نہ کسی اسم الٰہی کا مظہر ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ عالم باطن ہو یا عالم ظاہر یعنی عالم حس وشہادت سب میں موجود صرف وہی حق تعالیٰ ہی ہے۔ پس لاموجود الا اللہ یعنی از روئے حقیقت صرف حق تعالیٰ ہی موجود ہے اور ظاہر میں اسی کے کمالات کے مظاہر ہیں۔

۳) اللہ ولاسواہ: یعنی اللہ ہے اور نہیں ہے اللہ کے سوا کچھ بھی۔ یعنی جو کچھ ہے اللہ ہی اللہ ہے یعنی سب کچھ وہی اللہ تعالیٰ ہے یعنی ہمہ اوست۔ پس اس وادی میں سالک نہیں کچھ دیکھتا، نہیں کچھ سنتا، نہیں کچھ پاتا اور نہیں کچھ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ۔ سالک نہیں دیکھتا کسی شے کو اور نہ اپنے آپ کو غیر حق تعالیٰ۔ اس کی کیفیت یا حال یا ماہیت، تفصیل یا اجمال بیان نہیں ہو سکتا۔ چند اشارات ہیں جو مجملاً کر دیئے گئے کہ جو کچھ تھا، جو کچھ ہے اور جو کچھ ہوگا وہی اللہ ہے حالانکہ حقیقت میں تھا ہے اور ہوگا کا کوئی وجود نہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ زمان ومکان سے پاک اور مبرا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ یعنی اسے آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں یعنی یہ حقیقت ادراک میں نہیں آسکتی کہ کیسے سب کچھ وہی ہے، لاموجود الا اللہ کلمہ حق ہے۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو محمد رسول اللہ ہے جس کا معنی ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اسلئے اس جزو کے پھر دو جزو ہیں۔ یعنی محمد اور رسول اللہ۔ مگر ایک طرح سے تین جزو ہیں یعنی محمد ﷺ، رسول اور اللہ جس سے مراد ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ، وسیلہ اور برزخ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے نعمت، فیض اور ہدایت لیتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں اور مخلوق کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان برزخ ہیں باعتبار اپنی شانِ حقی کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہیں اور باعتبار اپنی شانِ خلقی کے خلق کیلئے ہدایت اور رحمت ہیں

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر ہیں خلق میں شامل

(جاری ہے)

سیدنا مولوی جی رحمت اللہ علیہ

داعیٔ اتحاد بین المسلمین

سید قمر عباس
سابق صوبائی وزیر ہاوسنگ و فزیکل پلاننگ

خالق کل نے دنیا و آخرت کے عجیب و غریب بھید جمع کر رکھے ہیں۔ ان اسرار میں موت ایک ایسا بھید ہے جس پر پوری دنیا گھوم رہی ہے۔ یہ موت ہے جس کے خوف سے انسان علم کی طلب کرتا ہے۔ اگر موت نہ ہوتی تو میڈیکل سائنس کا علم ہی سرے سے نہ ہوتا۔ اگر موت نہ ہوتی تو انسان روحانیت سے مستقلاً باغی ہو کر رہ جاتا۔ اگر موت نہ ہوتی تو نئی زندگی کی نمو ہی نہ ہو پاتی۔ موت انسان کی بے راہ زندگی کی باگ ہے۔ موت کے بے رحم ہاتھ نہ تو کسی کا انتظار کرتے ہیں اور نہ کسی پر رحم کھاتے ہیں۔ ان ہاتھوں نے جہاں ایک طرف دنیا کے بڑے بڑے سکندروں کو تہہ خاک دبا دیا وہاں بڑے بڑے موتی اور نایاب ہیرے بھی ہم سے چھین لئے۔ ایسا ہی ایک ہیرا مولانا سید محمد امیر شاہ قادری الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

آج مولوی جی قبلہ کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال بیت گیا۔ یہ پورا سال وہ اپنے عقیدتمندوں کے دلوں میں زندہ رہے۔ ایک جید عالم دین، نایاب خطیب، عظیم الشان انسان --- صدیوں میں پیدا ہونے والی اس شخصیت کا خاص وصف ان کا فقر تھا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ میں مولوی جی کو کس درجے پر دیکھتا ہوں تو میں بلا توقف یہ کہہ دوں کہ وہ ایک فقیر تھے۔ سفید پوشاک اور اجلے کپڑوں کے اندر چھپا ہوا یہ فقیر بہت کم سوتا، بہت کم بولتا اور بہت کم کھاتا تھا۔ اس فقیر کو سرکارِ رسالت مآب ﷺ سے عشق تھا۔ ان کا ہر لمحہ سرکار ﷺ کی محبت میں بسر ہوتا۔ آپ نے اپنا قلم، اپنا علم، اپنی تحقیق، اپنا شعور، اپنی فکر اس عظیم ہستی کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ اس عاشق رسول ﷺ کے اسی وصف کے طفیل حق تعالیٰ نے ان کو

اپنی مخلوق میں محبوب بنا دیا تھا۔ پشاور شہر کے شہری ان کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔

۱۹۴۳ء میں آپ نے ''مجلس میلاد النبی پشاور'' کی بنیاد رکھی اور پشاور میں ربیع الاول کے جلسوں اور جلوسوں کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ جلسے اور جلوس عشق نبی ﷺ کی پہچان بن گئے۔ ہمارے بچپن کے دنوں میں ہر علاقے کے لوگ ایک جلسہ مل جل کر منعقد کرتے تھے۔ ہمارا آبائی علاقہ تحصیل گور گٹھڑی ہوا کرتا تھا۔ جب بھی اس علاقے کی باری آتی ہم محلّہ خداداد سے وہاں پہنچ جاتے۔ تایا جان مرحوم کے ساتھ سٹیج اور لائٹنگ کا بندوبست کرتے، دریاں بچھاتے اور پورے محلے کے ساتھ مل کر یہ جلسہ منعقد کرواتے۔ پھر جب جلسہ شروع ہوتا تو ہم گلاس بھر بھر کر لوگوں کو شربت پلواتے اور مولوی جی کی صدارتی تقریر سننے کے بعد ہم واپس اپنے گھر آتے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان کے مومن بننے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا سینہ عشق محمدی ﷺ سے پُر ہو۔

ہم نے ''جمعیت سادات'' بنائی تو مولوی جی اس کے تنظیمی کام میں دن رات مصروف ہو گئے۔ ایک دن ہم نے ایک میٹنگ بلائی جس میں کچھ دیر پہلے آ کر مولوی جی سے گپ شپ لگا رہا تھا۔ میرا موضوع سادات تھا۔ میں موجودہ دور میں سادات کی عزت کی بحالی پر ان سے محوِ گفتگو تھا۔ وہ فرمانے لگے'' جب ہم چھوٹے تھے تو پشاور شہر میں سادات کا ایک عجیب مرتبہ و مقام تھا۔ دکاندار اٹھ اٹھ کر ان کو سلام کرتے، کسی محفل میں بھی جب وہ داخل ہوتے تو تمام لوگ اٹھ کر ان کا استقبال کرتے، ان کو عموماً تخت پر بٹھایا جاتا۔ عام جھگڑوں سے لے کر بڑے جھگڑوں تک میں وہ فیصلہ کرتے تو کوئی اسے چیلنج کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اب وہ بات کہاں؟ دراصل سادات نے خود ہی یہ عزت گنوائی (وہ بڑے جذبے میں بول رہے تھے)۔ دیکھو شاہ صاحب (وہ مجھے کہنے لگے) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں سید گھرانے میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے نسبت دے کر جو احسان کیا ہے اس کو ہم لوگ خود ہی نہیں سمجھ سکے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جو درجہ عام آدمی بڑی ریاضت کے بعد حاصل کرتا ہے سید گھرانے کا فرد اسے بڑی کم عبادت سے حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کی صرف ایک شرط ہے کہ وہ اس خون کی حرمت کا خیال رکھے جو اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر ۶۳ پر)

غزل

سلیم بیتاب

صحراؤں میں جا پہنچی ہے شہروں سے نکل کر
الفاظ کی خوشبو، میرے ہونٹوں سے نکل کر

سینے کو مرے کر گیا اک آن میں روشن
اک نور کا کوندا، تیری آنکھوں سے نکل کر

میں قطرۂ شبنم تھا مگر آج ہوں سورج
آ بیٹھا ہوں میں صدیوں میں، لمحوں سے نکل کر

ہو جائیں گے بستی کے در و بام منور
سورج ابھی چمکے گا دریچوں سے نکل کر

کیا جانئے اب کون سی جانب کو گیا ہے؟
اک زرد سا چہرہ تیری گلیوں سے نکل کر

ہر سمت تھا اک تلخ حقائق کا سمندر
دیکھا جو تصور کے جزیروں سے نکل کر

وہ پیاس ہے، مٹی پہ زباں پھیر رہے ہیں
ہم آئے ہیں احساس کے شعلوں سے نکل کر

ہر آن صدا دیتے ہیں معصوم اجالے
بیتاب چلے آؤ، دھندلکوں سے نکل کر

نورِ چشم شاہ جیلاں

از علاؤالدین عدیم

گئے سال ماہِ رمضان کا دوسرا عشرہ شروع ہوتے ہی سیدی ومخدومی حضرت علامہ مولانا سید محمد امیر شاہ قادری الگیلانی المعروف مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے تھے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ بھی کل ہی کی بات ہو۔ وہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ گویا اب بھی ہم میں موجود ہوں۔ ولی کامل بلکہ اپنے وقت کے قطبِ عالم تھے۔ ایسی ہستیاں نظروں سے اوجھل ہو جائیں، دنیا سے پردہ فرمالیں مگر ہزاروں دلوں میں ان کی یادوں کی شمع تو ہمہ وقت فروزاں رہتی ہے۔ فارسی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے

رفتید ولے نے از دلِ ما

وقت خواہ کتنا ہی بیت جائے مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دلوں سے محو ہونے کی نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت منبع وسرچشمہ فیض تھی کہ جس سے ہر کوئی بہ قدرِ ظرف سیراب ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے کیونکہ بعد وصال ان ہستیوں کے تصرف میں اور زیادہ اضافہ ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اپنے مریدین معتقدین اور ارادتمندوں کو اسی طرح فیض یاب کرتے رہتے ہیں جس طرح کہ اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی صحبتِ خاصہ اور توجہ کے ذریعہ باطنی فیض سے سرشار کرتے رہتے ہیں۔

سیدنا مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ علومِ ظاہری شرعیہ اور علومِ باطنی ہر دو کے مینارۂ نور تھے۔ تمام عمر درسِ قرآن، حدیث وفقہ میں مشغول رہے۔ اہل سنت والجماعت کے صحیح عقائد واعمال کے ترویج میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا مگر اس کے ساتھ ہی فرقہ بندی اور گروہی عصبیت سے ہمیشہ دستکش رہے۔ امت کے اتحاد اور اخوت بین المسلمین کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مشرب اور ہر مسلک کے اکابرین کی نظر میں آپ بہت محترم اور وقیع مقام رکھتے تھے۔

دوسری طرف اس قدر رفیع الشان عالمانہ حیثیت رکھنے کے باوجود فروتنی اور انکسار کا یہ عالم تھا کہ

آپ کا دروازہ ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، عالم و جاہل صاحب حیثیت و بے حیثیت ہر کسی کیلئے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا اور ہر کوئی بے روک ٹوک شرف نیاز حاصل کرنے کیلئے آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوسکتا تھا۔ قریباً روزانہ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا مگر ان حاضر خدمت ہونے والوں میں سے کبھی کسی کو یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ اسے نظر انداز کیا جارہا ہے۔ جب کبھی کوئی اپنی کوئی درخواست یا مسئلہ گوش گزار کرتا تو اسے پوری توجہ سے سنتے اور اس کی پوری پوری رہنمائی کرنا آپ کا وطیرہ تھا۔ حاضرین میں سے اگر کوئی بھی دعا کی درخواست کرتا تو اس کیلئے اسی وقت فوراً ہاتھ اٹھا کر پورے اخلاص کے ساتھ دعا ضرور فرماتے۔

میں اکثر باقاعدگی سے ساتھ ملاقات کیلئے حاضر نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک مرتبہ کئی دنوں کی غیر حاضری کے بعد سلام کیلئے حاضر ہوا تو دوسری باتوں کے علاوہ میں نے عرض گزاری کہ آپکو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اگر اسی طرح کئی کئی روز تک تمہارا آنا نہ ہو تو ہم خواب میں آئیں گے ہی!

مریدین میں سے بعض آکر اپنے خواب سناتے یا بچہ کی ولادت ہونے پر کوئی مناسب نام تجویز فرمانے کو کہتے تو کوئی نقش طلب کرتے تو ان سب سے بہت خندہ روئی سے پیش آتے ہوئے ان کا کام کر دیا کرتے تھے۔ میں نے تمام عمر کبھی ان کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہاں آنے والے علماء و مشائخ کے ساتھ ان کے حفظِ مراتب کے مطابق اور چھوٹوں کے ساتھ کمال شفقت و مہربانی سے پیش آیا کرتے تھے۔

سلوک و معرفت کے سلسلہ میں بہت کم کسی کو بیعت کرتے تھے۔ اس کا موقع ۱۱ ربیع الثانی کو بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر آتا جب ذکر و فکر کے شبینہ محفل منعقد کی جایا کرتی تھی۔ تصوف میں مسلک وحدۃ الوجود کے قائل تھے مگر اس پر عام گفتگو نہیں فرماتے تھے البتہ میرے مرشد عالی قبلہ پروفیسر ڈاکٹر عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے یہاں جب کبھی ملاقات کیلئے آتے تو ان کے ساتھ بہت کھل کر گفتگو ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اسی طرح کی ایک ملاقات کے موقع پر جبکہ میں بھی حاضر تھا قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ عطار کے بارے میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا (باقی صفحہ نمبر ۶۱ پر)

گزشتہ سے پیوستہ

ارشاداتِ غوثُ الصمدانی

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

مرتب: سید کامران شاہ بخاری (وڈپگہ)

صبر اے عزیز! اگر تو متقی، اللہ پر بھروسہ کرنے والا اور اعتماد رکھنے والا بننا چاہتا ہے تو صبر کرنا ضروری سمجھ کیونکہ وہ ہر خیر کی بنیاد ہے۔ جب صبر کے متعلق تیری نیت صحیح ہو جائے گی اور تو اللہ تعالیٰ کیلئے صبر کرے گا تو اس کا اجر تیرے لئے یہ ہوگا کہ دنیا و آخرت میں اس کی محبت و قربت تیرے دل کے اندر سما جائے گی۔ صبر خدا تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ موافقت کرنے کا نام ہے کہ جس کے متعلق پہلے ہی سے اس کو علم ہے اور اس کو مٹانے کی کسی مخلوق میں قدرت نہیں۔ ایمان و یقین رکھنے والے بندے کے نزدیک چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے اس لئے وہ تقدیر پر مجبوراً نہیں بلکہ اپنے ارادہ سے راضی رہتا ہے۔ صبر ابتدائی حالت میں (ایمان کمزور ہونے کی وجہ سے) مجبوراً ہوتا ہے۔ آگے چل کر (اولیاء اللہ کی صورت میں) قصد اور ارادہ سے ہوتا ہے۔ جب تجھ میں صبر نہیں تو ایمان کا دعویٰ کیوں کرتا ہے؟ اگر تقدیر پر راضی نہیں ہے تو معرفتِ خدا کی دعویٰ کیسا؟ یہ چیز صرف دعویٰ سے حاصل نہیں ہوتی جب تک تو بابِ خداوندی کو دیکھ نہ لے اس کی چوکھٹ کو تکیہ نہ بنالے اور تقدیر کے روندنے پر صبر نہ کرے اور نفع و نقصان کے اثرات تیرے جسم کو نہیں بلکہ دل کے جسم کو روند نہ ڈالیں اور تو اپنی جگہ ایسا اٹل رہے گویا متوالا ہے اور جسم بلا روح ہے اس وقت تک واعظ بننا درست نہیں۔ یہ کام سکونِ محتاج ہے جس میں مطلق حرکت نہ ہو۔ ضرورت ہے گمنامی کی کہ ذرا بھی شہرت نہ ہو۔ قلب و باطن اور سِرّ و معنی کے اعتبار سے مخلوق سے غائب

رہنے کی کہ ان سے ذرا بھی دلی لگاؤ نہ ہو۔

حالت کی تبدیلی میں تم سے کیا کچھ (علاج) بیان کرتا ہوں اور تم عمل نہیں کرتے۔ کیسی کیسی لمبی چوڑی اور مشرح باتیں سناتا ہوں لیکن تم نہیں سمجھتے۔ میں کس قدر تم کو دیتا ہوں لیکن تم کچھ نہیں لیتے۔ کیسی کچھ نصیحتیں کرتا ہوں اور تم قبول نہیں کرتے۔ تمہارے دل کتنے سخت اور خدا سے کس قدر ناواقف ہیں۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے، اس کی ملاقات کا تم کو یقین ہوتا اور موت اور اس کے بعد کے واقعات کو یاد کرتے تو تم ایسے (غافل) نہ رہتے۔ کیا تم نے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کی موت نہیں دیکھی؟ کیا تم نے بادشاہوں کو مرتے نہیں دیکھا؟ پھر تم نے ان سے نصیحت کیوں حاصل نہیں کی۔ دنیا طلبی اور دنیا میں ہمیشہ رہنے کی خواہش پر اپنے نفسوں کو سرزنش کیوں نہ کی۔ تم نے اپنے دلوں کی حالت میں تبدیلی کیوں نہیں کی اور مخلوق کو دلوں سے کیوں نہ نکال باہر کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدل لے۔‘‘ تم کہتے تو ہو مگر عمل نہیں کرتے اور اگر کبھی عمل کرتے بھی ہو تو خلوصِ دل سے نہیں کرتے، سمجھ سے کام لو، اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی نہ کرو۔ تیار ہو جاؤ اور تحقیق کرلو، توجہ کرو اور غور وفکر سے کام لو۔

تم جس حال میں ہو اس سے آخرت میں تم کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ تم اپنے نفسوں کیلئے بھی خسیس بنے ہوئے ہو۔ اگر تم اپنے نفس کیلئے بھی سخی ہوتے تو اس کیلئے وہ چیز حاصل کرتے جو آخرت میں اس کیلئے نفع بخش ہوتی۔ تم لازوال کو چھوڑ کر فانی میں مشغول ہو۔ بی بی، بچوں اور مال جمع کرنے میں مشغول نہ ہو کہ عنقریب تمہارے اور ان سب چیزوں کے درمیان پردہ پڑ جائے گا۔ دنیا کی طلب اور مخلوق سے عزت حاصل کرنے کی فکر میں نہ رہو کہ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں یہ تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔ (اے عزیز!) تیرا دل شرک کی نجاست سے آلودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرتا، اس کو الزام دیتا اور تیری تمام حالتوں میں اس پر اعتراض کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو تیری یہ حالت معلوم ہوئی تو غصہ ہوا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں تیری دشمنی ڈال دی۔ ایک بزرگ جب گھر سے باہر نکلتے تو آنکھوں پر پٹی باندھ

لیتے اور ان کا بیٹا ہاتھ پکڑے چلتا تھا۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ ''تا کہ حق تعالیٰ کے انکار کرنے والے بندہ پر نظر نہ پڑے۔'' پس ایک دن وہ اپنے گھر سے آنکھ کھولے ہوئے نکل آئے (کسی کافر پر) نگاہ پڑ گئی تو فوراً بے ہوش ہو کر گر گئے --- اللہ اکبر!۔ وہ حق تعالیٰ کے بارے میں کس قدر غیرتمند تھے۔ تو کس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتا اور شریک سمجھتا ہے۔ اس کی نعمتیں کھا کھا کر ناشکری کرتا ہے اور احساس تک نہیں ہوتا۔ تم کافروں کے ساتھ مل جل کر کھاتے پیتے اور ان میں اٹھتے بیٹھتے ہو۔ تمہارے دلوں میں نہ ایمان ہے اور نہ خدا تعالیٰ کی متعلق غیرت۔ توبہ کرو، مغفرت چاہو اور اس سے شرماؤ۔ بے حیائی اور اس کے سامنے گستاخی کا لباس اتار پھینکو۔ دنیا کی حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچو اور اس کے بعد مباح چیزوں کو بھی شہوت وخواہش نفسانی کے ساتھ کھانے سے پرہیز کرو۔ خواہش نفس اور شہوت سے کھانا م کو خدا سے غافل کر دے گا۔

دنیا قید خانہ ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔'' بھلا کوئی قیدی قید خانہ میں کیسے خوش ہو سکتا ہے؟ ہرگز خوش نہ ہوگا۔ ہاں اگر خوشی ہوگی تو صرف چہرے پر ہوگی اور دل میں غم ہو گا۔ بہ ظاہر تو خوشی ہوگی لیکن مصائب اس کے باطن، اندرونِ جسم اور خلوت کے اعتبار سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوں گے۔ (گویا) کپڑوں کے نیچے کے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اپنے زخموں کو تبسم کے لباس میں چھپائے ہوئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اس پر فخر کرتے ہیں، اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کئے جاتے ہیں، ان میں سے ہر ایک سلطنتِ دین خداوندی کا بہادر ہے۔ یہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی معیت میں صابر بنے رہتے اور قضا وقدر کی تلخیاں گھونٹ گھونٹ کر پیتے تھے یہاں تک کہ خدا نے ان کو محبوب بنالیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

وہ تیرے ساتھ محبت ہی کی وجہ سے تجھ کو مبتلائے مصیبت فرماتا ہے جس قدر بھی تو اس کے احکامات کی تعمیل کرے گا اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہے گا اتنی ہی تیرے ساتھ اس کی محبت بڑھے گی۔

اس کی بلاؤں پر جتنا بھی تو صبر کرے گا اسی قدر اس کے یہاں تو مقرب ہوگا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں ''اللہ

تعالیٰ کو منظور ہی نہیں کہ وہ اپنے محبوب کو تکلیف پہنچائے، ہاں اس کو آزماتا اور صابر بنا دیتا ہے۔"

جناب رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "گویا دنیا تھی ہی نہیں اور آخرت ہمیشہ سے تھی۔" اے دنیا کے خواستگارو! اے دنیا سے محبت کرنے والو! میرے پاس آؤ۔ میں تم کو دنیا کے عیوب بتا دوں اور اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھا دوں اور تم کو ان لوگوں سے ملا دوں جو ذاتِ خدا کے طلب گار ہیں۔ تم تو ہوس میں مبتلا ہو۔ سنو! میں تم سے کیا کہتا ہوں، اس پر عمل کرو اور عمل میں خلوص سے کام لو۔ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں جب اس کو معلوم کر کے عمل کرتے ہوئے وفات پاؤ گے تو علیین کی طرف اٹھائے جاؤ گے اور وہاں نگاہ اٹھاؤ گے تو میری باتوں کی اصلیت نظر آئے گی۔ اس وقت میرے لئے دعا کرو گے، مجھ پر سلامتی بھیجو گے اور جس کی طرف میں اشارہ کرتا ہوں اس کی حقیقت کو سچا پاؤ گے۔

وعظ کی قیمت

اے لوگو! اپنے دلوں سے میرے متعلق تہمت نکال دو کہ میں نہ لغو گو ہوں نہ طالب دنیا۔ میں نے عمر بھر نیک بندوں سے حسن ظن رکھا اور ان کا خادم بنا رہا اور یہی مجھ کو نفع پہنچا رہا ہے۔ میں تم کو نصیحت کرنے اور تمہارے خیر خواہی کرنے کی اجرت نہیں چاہتا۔ میرے وعظ کی قیمت صرف اس پر عمل کرنا ہے۔ یہ ایسا وعظ ہے جو شایانِ خلوت اور اخلاص ہے۔ تدابیر اور اسباب کے ختم ہونے پر نفاق کی جڑ کی تمام ہو جاتی ہے۔ ایمان و یقین ہی پروان چڑھتا اور نشو و نما پاتا ہے، نہ کہ نفوس اور خواہشات۔ صاحبِ ایمان کا بول بالا ہوتا ہے، منافق کا نہیں۔

گونگا بن جا

لوگو! باطل، ہوس اور آرزوؤں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ وہ بات کہو جو تم کو نفع دے اور (وہ بات کہنے سے) خاموش رہو جو نقصان پہنچائے۔ اگر تیرا بولنے کا ارادہ ہو تو جو بات کہنا چاہے پہلے اس میں غور کر۔ اس میں نیک نیتی سے کام لے پھر وہ بات کہہ۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

"جاہل کی زبان اس کے دل کے آگے ہے اور دانا عالم کی زبان اس کے دل کے پیچھے۔"

تو گونگا ہو جا، اب اگر اللہ تعالیٰ کو تیرا بولنا مقصود ہوگا تو تجھے گویائی بخشے گا۔ جب وہ تجھ سے کوئی کام لینا چاہے گا تو تجھے اس کیلئے تیار کر دے گا۔ اس کی معیت میں بالکل خاموشی ہے پس جب گونگا پن تکمیل

کو پہنچ جائے گا تو اسی کی طرف سے گویائی آئے گی۔ بشرطیکہ اس نے چاہا ورنہ آخرت تک یہ خاموشی قائم رہے گی اور جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں "جسے عرفانِ الٰہی نصیب ہوا اس کی زبان گنگ ہوئی۔" بات کیسی ہی کیوں نہ ہو وہ حق تعالیٰ پر اعتراض نہیں کرتا۔

اس کے ظاہر و باطن کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ وہ سرتاپا موافقت بن جاتا ہے اور اختلاف کا نام بھی نہیں رہتا۔ وہ غیر اللہ کو دیکھنے سے اپنے دل کی آنکھوں کو اندھا بنا لیتا ہے۔ اس کا باطن پاش پاش، اس کی حالت پراگندہ اور اس کا مال تتر بتر ہو جاتا ہے۔ اپنے وجود اور اپنی دنیا و آخرت سے باہر آ جاتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد جب خدا چاہتا ہے تو اس کو زندہ فرما دیتا ہے۔ گمشدگی کے بعد اس کو موجود کرتا اور (گویا) دوسرا جنم دیتا ہے (اب نفسانیت کی کوئی بات باقی نہیں رہتی)۔ فنا کے ہاتھ سے اس کو فنا کر کے بقا کے ہاتھ سے اس کو دوبارہ زندگی بخشتا ہے تاکہ وہ (خدا تعالیٰ سے) ملاقات کا مشتاق ہو۔ اس کے بعد اس کو (مخلوق کی طرف) واپس کر دیتا ہے تاکہ مخلوق کو تنگدستی سے تونگری کی طرف لائے۔ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی معیت ہی اصل تونگری ہے اور حق تعالیٰ سے دوری اور دوسروں کو پا کر اپنے کو تونگر سمجھنا اصل تہی دستی ہے۔

وہی دولتمند ہے جس کو حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہوا اور وہ تہی دست ہے جو اس سے محروم رہا۔ جسے اس دولت کی خواہش ہے اس کو چاہئے کہ دنیا و آخرت اور ان میں جو کچھ بھی ہے حق تعالیٰ کے سوا سب کو چھوڑ دے اور ایک ایک کر کے تمام چیزوں کو دل سے نکال دے۔

اس تھوڑی سی چیز کے جو تمہارے پاس ہے پابند مت بنو۔ اس نے اس موجودہ قلیل مقدار کو تمہارے لئے زادِ راہ بنایا ہے کہ اس کی راہ کا توشہ بناؤ۔ اس نے یہ نعمتیں تم کو اس لئے دی ہیں کہ اس کا عطیہ سمجھ کر اس کے ذریعہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرو اور علم تمہارے لئے اس لئے تجویز فرمایا کہ اس پر عمل کر کے اس کی روشنی میں راہ طے کرو۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی راہ کی ہدایت عطا فرما اور ہم کو دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

مجاہدۂ نفس

مخالفتِ نفس اے عزیز! جب تو نجات کا طالب ہو تو اپنے پروردگار کی موافقت میں نفس کی مخالفت کر۔ اس کی طاعت میں نفس کا ساتھ دے اور اس کی نافرمانی میں نفس کی مخالفت کر۔ مخلوق کو پہچاننے سے تیرا نفس تیرا حجاب ہے اور مخلوق حق تعالیٰ کے پہچاننے سے حجاب ہے۔ پس جب تک تو نفس کا ساتھ دے گا تو مخلوق کو نہ پہچان سکے گا اور جب تک مخلوق کے ساتھ رہے گا خدا تعالیٰ کو نہ پہچان سکے گا۔ جب تک تو دنیا کے ساتھ ہے، آخرت کی واقفیت نہ ہوگی اور جب تک آخرت کے ساتھ ہے تو آخرت کے پروردگار کو نہ دیکھ سکے گا۔ آقا و غلام ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جس طرح دنیا و آخرت یکجا نہیں ہو سکتیں اسی طرح خالق و مخلوق بھی ایک جا جمع نہیں ہو سکتے۔ نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے اور یہ اس کی فطری عادت ہے۔ پس ایک زمانہ درکار ہے کہ وہ (صلاحیت پسند ہو کر) اس بات کا حکم دے جس کا قلب حکم دیتا ہے۔ ہر حال میں اس سے مجاہدہ کر اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ اس نے ہر نفس کو اس کی اچھائی اور برائی الہام فرما دی، اس کو کٹ حجتی نہ سکھا، مجاہدہ سے اس کو پگھلا ڈال کیونکہ جب وہ پگھل کر فنا ہو جائے گا تو قلب کے ساتھ اسے سکون ملے گا۔ اس کے بعد قلب کو باطن کے ساتھ سکون ملے گا اور پھر باطن خدا تعالیٰ کے ساتھ سکون پائے گا۔ پس ان سب کی سیرابی اسی سرچشمہ سے ہوگی۔ جب تو پوری طرح اس کو پگھلا دے گا تو قلب کے لحاظ سے تجھ کو آواز دی جائے گی (کہ بس اب ترس کھاؤ اور) اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو۔ بیشک خدا تم پر شفیق و مہربان ہے (کہ نفس پر بھی زیادہ بوجھ اسے گوارا نہیں)۔ مگر یہ ندا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کو اپنی کدورتوں سے پاک اور اس کے شر کی میل کٹ جانے اور خدا کی یاد اور اطاعت سے قلب کے فربہ ہو جانے کے بعد ہوگی۔ جب تک نفس میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کدورت اور شر کے ساتھ اس کو مقرب بنانے کی طمع نہ کر کیونکہ نجاستوں سے پاک صاف ہوئے بغیر اس کو بادشاہ کا قرب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ نفس کی خواہشات کم کر پھر تو جو کچھ بھی اس سے کہے گا وہ تیرا کہا مانے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی

نصیحت اس کو سنا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''جب صبح کا وقت آئے تو اپنے نفس سے شام کا ذکر نہ کر اور جب شام کا وقت آئے تو اس سے صبح کا تذکرہ نہ کر کیونکہ تجھے کیا معلوم کہ کل تیرا کیا نام ہوگا'' (یعنی زندہ یا مردہ؟)۔ تو نے اپنے نفس پر دوسروں سے زیادہ شفقت کر کے اس کو بالکل کھو دیا پھر بھلا دوسرے اس پر شفقت اور اس کی حفاظت کیا کریں۔ تیری لمبی چوڑی آرزوؤں و حرص نے اس کو برباد کر ڈالا ہے۔ پس اپنی امیدوں کو کوتاہ اور حرص کو کم کر کے موت کو یاد اور حق تعالیٰ کا ہر وقت دھیان کرنے اور صدیقین کے انفاس اور کلمات کو دوا بنانے اور کدورت سے پاک وصاف کرکے ذریعہ شب و روز علاج معالجہ میں کوشش کر۔ اپنے نفس کو بتادے کہ اپنے کیے کا نفع بھی تجھ ہی کو ہوگا اور وبال بھی تجھ ہی پر پڑے گا۔ نہ کوئی تیرا عمل بتائے گا نہ اپنے کیے ہوئے عمل میں تجھ کو کچھ دے گا۔ کام اور محنت مجاہدہ کیے بغیر چارہ نہیں۔ تیرا دوست وہی ہے جو تجھ کو (برائی سے) روکے اور تیرا دشمن وہ ہے جو تجھے برائی پر اکسائے۔

غیر کا شکریہ میرے عزیز! میں تجھ کو مخلوق کے پاس دیکھ رہا ہوں، نہ کہ خالق کے پاس۔ تو مخلوق اور نفس کا حق تو ادا کرتا ہے لیکن حق تعالیٰ کا حق ساقط کرتا ہے۔ اس کی نعمتوں پر دوسروں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جن نعمتوں میں تو ڈوبا ہوا ہے تجھ کو کس نے دی ہیں؟ کیا خدا کے سوا کسی اور نے دی ہیں جو تو ان کا شکریہ ادا کرتا اور ان کی پرستش کرتا ہے۔ اگر تجھے علم ہے کہ جو کچھ بھی نعمتیں تیرے پاس ہیں وہ تمام خدائے عزوجل کے طرف سے ہیں تو پھر اس کا شکریہ کہاں ہے؟ اور اگر تو جانتا ہے کہ اسی نے تجھ کو پیدا کیا ہے تو پھر اس کی عبادت یعنی اس کے احکامات کی بجا آوری اور ممنوعات سے پرہیز اور اس کی بلاؤں پر صبر کرنا کہاں ہے؟ اپنے نفس سے اتنا مجاہدہ کر کہ وہ سیدھے راستے پر آ لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔'' نیز اس نے فرمایا ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے (یعنی اس کا بول بالا رکھو گے) تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔'' نفس کو مہلت نہ دے اور نہ اس کا کہا مان تو یقیناً نجات پائے گا۔

اس کے سامنے تبسم نہ کر اور اس کی ہزار باتوں میں سے بس ایک آدھ بات کا جواب دے یہاں

تک کہ وہ مہذب، مطمئن اور قانع ہو جائے۔ اگر وہ تجھ سے اپنی خواہشوں اور لذتوں کا مطالبہ کرے تو اسے ٹال دیا کر اور کہہ دیا کر کہ اس کے پورے ہونے کا مقام جنت ہے۔ انکاری تلخی کا اس کو خوگر بنا یہاں تک کہ بخشش آئے۔ تب تو اس کو صابر بنائے گا اور صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی معیت اس کو نصیب ہوگی اس لئے کہ اس کا ارشاد ہے "بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" تو اس کی بات بھی نہ مان کیونکہ وہ برائی کے سوا کسی چیز کا بھی حکم نہ دے گا۔ اگر تجھے اس کے ساتھ محبت ہے تو اس کی مخالفت کر کہ اس کی مخالفت میں ہی اس کی بھلائی ہے۔ اے وہ شخص جو مدعی ہے خدا کی طلب کا اور ساتھی ہے اپنے نفس کا، تو اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ نفس اور حق کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا و آخرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جو نفس کے ساتھ کھڑا ہوا اس سے خدا تعالیٰ کا ساتھ چھوٹا جس نے دنیا کا ساتھ پکڑا اس سے آخرت کا ساتھ جاتا رہا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "جو اپنی دنیا کو عزیز سمجھے گا وہ اپنی آخرت خراب کرے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کا نقصان کرے گا۔" صبر کر جب صبر کامل ہو جائے گا تو رضا کامل ہو جائے گی، تیری فنائیت تجھ کو حاصل ہوگی۔ ہر چیز تیرے پاس اچھی ہوگی۔ کل سراپا شکر ہو جائے گا، دوری بھی قرب ہوگی، شرک توحید بن جائے گا۔ تو نہ نقصان کو مخلوق کی طرف سے سمجھے گا نہ نفع کو۔ تجھ کو اغیار نظر ہی نہ آئیں گے۔ سارے دروازے اور ساری سمتیں ایک ہو جائیں گی۔ تیری نگاہ بجز ایک سمت کے کسی پر بھی نہ اٹھے گی۔ یہ ایک ایسی حالت ہے، جس کو اکثر لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ لاکھوں بلکہ ساری مخلوق میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔

صبر کا اجر

عزیزم! کوشش کر کہ تو خدا تعالیٰ کے حضور میں یہاں مر مٹے۔ کوشش کر کہ بدن سے روح نکلنے سے پہلے ہی تیرا نفس مر جائے اور نفس کی موت صبر اور اس کی مخالفت سے واقع ہوگی اور عنقریب اس کا انجام بخیر ہوگا۔ تیرا صبر تو ختم ہو جائے گا مگر اس کا اجر ختم نہ ہوگا۔ میں نے خود صبر کیا اور اس کا انجام بہتر پایا۔ میں مر چکا ہوں پھر میرے خدا نے مجھ کو زندگی دی اور اسکے بعد (فنائیت کی) موت دی۔ میں معدوم ہو چکا ہوں پھر خدا تعالیٰ مجھ کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اس کی حضوری میں مر مٹا اور اس کی معیت میں بادشاہ بنا۔ میں نے اپنے اختیار و ارادے کو ترک کرنے کیلئے نفس کو مجاہدہ میں ڈالا یہاں تک کہ یہ (مرتبہ

قرب) نصیب ہوا کہ اب تقدیر میرا ہاتھ پکڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان میری مدد کرتا ہے۔ اس کا فعل مجھے حرکت دیتا اور غیرت میری (معصیت سے) حفاظت کرتی ہے۔ مشیت میری اطاعت گزار اور علم الٰہی میرا پشت پناہ بنا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ مجھ کو بلند فرماتا رہتا ہے۔ تجھ پر افسوس! تو مجھ سے بھاگتا ہے حالانکہ میں تیرا کوتوال ہوں اور تیری حفاظت کرتا ہوں۔ پس تجھے میرے پاس ٹھہرنا چاہئے ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ اے بے وقوف! پہلے میری طرف قصد کر پھر خانہ کعبہ کا ارادہ کرنا۔ میں کعبہ کا دروازہ ہوں۔ آ میں تجھے حج کرنے کا طریقہ بتاؤں اور تجھے وہ آداب گفتگو سکھاؤں جس سے تو رب کعبہ کو خطاب کرے۔ جب غبار ہٹے گا تو عنقریب تجھ کو نظر آ جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی اور ہم کیا خیال کیے بیٹھے تھے)۔

رعایا کے پاسبان اے رعایا کے پاسبانو! بیٹھ جاؤ (حکومت کا تکبر ترک کر کے)۔ میری پناہ میں آ جاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص قوت بخشی گئی ہے۔ اللہ والے تم کو انہیں باتوں کا حکم دیتے ہیں جن کا حکم خدا نے دیا ہے اور انہیں باتوں سے روکتے ہیں جن باتوں کی خدا نے ممانعت کی ہے۔ تمہاری خیر خواہی ان کے سپرد کی گئی ہے پس وہ اس امانت کو ادا کر رہے ہیں۔

حکمت کا گھر اس حکمت کے گھر (یعنی دنیا میں کام کرنا ناگزیر ہے اس لئے) کام کئے جاؤ یہاں تک کہ در قدرت (یعنی آخرت) میں پہنچ جاؤ۔ دنیا سراسر حکمت ہے اور آخرت سراپا قدرت۔ حکمت کو آلات و اوزار اور اسباب کی ضرورت ہوتی ہے اور قدرت کو ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ قدرت کا گھر حکمت کے گھر سے الگ ہو جائے۔ آخرت میں ساری چیزیں بلا اسباب وجود میں آئیں گی۔ تمہارے اعضا بولنے لگیں گے اور تم نے حق تعالیٰ کی جو نافرمانیاں کی ہیں ان کی تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ قیامت کے دن سارے پردے اٹھ جائیں گے اور تم چاہو یا نہ چاہو ساری پوشیدہ باتیں کھل جائیں گی۔ دوزخ کے اندر مخلوق میں سے سوائے اس قلب کے جو سرد ہو (یعنی مردہ ہو اور اس میں طاعت حق کا شمہ تک نہ ہو) اور کوئی بھی داخل نہ ہوگا کیونکہ اسی پر حجت قائم ہوتی ہے۔ اپنے نامہ اعمال کی فکر کرو پھر گناہوں سے توبہ کرو اور نیکیوں پر شکر ادا کرو۔ نافرمانیوں کے اوراق جمع

کر کے توبہ کے قلم سے ان کی سطروں کو کاٹ دو۔

بیعتِ حقیقی عزیزم! تو نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور میری صحبت اختیار کی ہے اگر تو میری بات نہ مانے گا تو تجھے (میری بیعت وصحبت سے) کیا فائدہ ہوگا؟ تو نے ظاہراً رغبت کی، حقیقتاً نہیں۔ جو شخص میری صحبت میں رہنا چاہے تو جو کچھ میں اس سے کہوں اس کو مانے اور اس پر عمل کرے اور جدھر کو بھی پھروں ادھر ہی وہ بھی پھر جائے۔ ورنہ میری صحبت میں رہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جتنا (ساتھ رہ کر) فائدہ اٹھائے گا اس سے زیادہ (نافرمانی کر کے) نقصان اٹھائے گا۔ میں ایک بچھا ہوا دستر خوان ہوں (کہ جو چاہے کھائے) پھر بھی کوئی نہیں کھاتا۔ کھلا ہوا دروازہ ہوں لیکن (افسوس) کوئی اس میں داخل نہیں ہوتا۔ میں تمہیں کیا کروں، میں تم سے کہتا ہوں اور تم میری سنتے ہی نہیں۔ میں تم کو تمہارے ہی لئے چاہتا ہوں، اپنے لئے نہیں۔ میں نہ تم سے ڈرتا ہوں اور نہ تم سے امید رکھتا ہوں۔ میں آبادی اور ویرانے، زندہ اور مردہ، غنی اور فقیر، بادشاہ اور غلام کسی میں بھی فرق نہیں سمجھتا لیکن اختیار کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے (وہ جس کو چاہتا ہے مجھ سے نفع پہنچاتا ہے)۔ جب دنیا کی محبت میں اپنے دل سے نکال چکا تو مجھ کو یہ (مرتبہ) حاصل ہوا۔ تیرے دل میں دنیا کی محبت بھری ہوئی ہے اسلئے تیرے لئے یہ (واعظ بننا) کس طرح مناسب ہوسکتا ہے؟ کیا تو نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نہیں سنا کہ "دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ ہے۔" جب تک تو مبتدی ومقتدی بنا ہوا طلب وسلوک کی حالت میں ہے تیرے لئے دنیا کی محبت، ہر لغزش کی جڑ ہے لیکن جب تیرا باطن انتہائی منزل طے کر کے خدا کے نزدیک پہنچ جائے گا تو دنیا کا جتنا حصہ بھی تیری قسمت میں لکھا ہے اس کی محبت تیرے دل میں ڈال دی جائے گی اور غیر کے مقسوم کا بغض ڈالا جائے گا۔ تیرے مقسوم کی محبت تیرے دل میں اس لئے پیدا کی جائے گی کہ تو اپنے متعلق خدا تعالیٰ کے حکم ازلی کو ثابت کرنے کیلئے اپنا پورا مقسوم حاصل کر سکے اور اس پر قناعت کر کے دوسری چیزوں کی طرف بالکل توجہ نہ کرے۔ تیرا دل حق تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہوا اور اس طرح دنیا کو استعمال کرے جیسے جنتی جنت میں استعمال کریں گے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تجھ کو ملے گا وہ تجھ کو پسند ہوگا کیونکہ تو اسی کے ارادے سے ارادہ کرتا ہے اور اسی کے اختیار دینے سے اختیار کرتا ہے۔ اس کی تقدیر کے ساتھ گھومتا رہتا ہے اور

اپنے دل سے خدا کے سوا ہر چیز سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ دنیا و آخرت دونوں ہی تجھ سے الگ ہیں۔ پس تیرا اپنے مقسوم کو لینا اور اس کو محبوب سمجھنا خدا ہی کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اپنی ذات کی وجہ سے۔

عمل کا غرور ریاکار منافق اپنے عمل پر مغرور ہوتا ہے۔ دن کو ہمیشہ روزے رکھتا اور رات کو شب بیداری کرتا، روکھا سوکھا کھاتا اور موٹا جھوٹا پہنتا ہے لیکن حقیقت میں ظاہر و باطن میں تاریکی کے اندر ہے کہ اپنے دل سے خدا تعالیٰ کی جانب ایک قدم بھی نہیں بڑھتا۔ وہ محنت مشقت میں مبتلا ہے، اس کی حقیقت اولیاء و صدیقوں اور خدا کے پاس رہنے والے نیکوکاروں پر عیاں ہے کیونکہ مخلوق میں سے خواص تو آج بھی اس کو پہچانتے ہیں اور کل (قیامت) میں سب لوگ اسے پہچان لیں گے۔ خواص اس کو دیکھ کر دل میں اس سے دشمنی رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کی وجہ سے اس کو چھپا لیتے ہیں۔ تو اپنے نفاق کے ساتھ ان کے گروہ میں نہ جا۔ وہاں رہنے نہ پائے گا۔ وعظمت کہہ جب تک کہ تو اپنا زنار نہ توڑ ڈالے اور نئے سرے سے اسلام قبول کر کے دل سے توبہ نہ کرے اور اپنی طبیعت، خواہش وجود اور نفع کے حصول اور مضرت کے بچاؤ کے احاطہ سے باہر نہ نکل آئے۔ وعظمت کہہ جب تک کہ تو اپنے آپ (انانیت) سے باہر نہ نکل آئے کہ اپنے نفس، اپنی خواہش اور اپنی طبیعت کو دروازے پر، قلب کو دہلیز اور باطن کو بادشاہ کے قریب نشست گاہ میں چھوڑے۔ (جاری ہے)

بقیہ: نورِ چشمِ شاہ جیلاں

هفت شهر عشق را عطار گشت | ما هنوز اندر خم یک کوچه ایم

تو گفتگو کے دوران ہی مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے نام لے کر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا بتاؤ اس شعر کا مطلب کیا ہے؟ میں دو بزرگ ہستیوں کے سامنے لب کشائی کی جرأت کیسے کر سکتا تھا سو خاموش رہا۔ اس کے بعد دو ایک مرتبہ مرشدِ عالی جناب ڈاکٹر صاحب نے جاتے ہوئے بھی مجھے فرمایا کہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی وضاحت کرنے کیلئے تمہیں کہہ رہے تھے، میں نے ان ہر دو حضرات کے اقدام پاک کی خاک کے برابر بھی نہ تھا مگر

شاہاں را چہ عجب گر نوازند گدا را

تبصرۂ کتب

(تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں)

عنوان: آبِ کوثر

مؤلف: حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صفحات: ۳۲۰

ناشر: ادارہ تبلیغ الاسلام سیکنڈ فلور بی سی ٹاور ۵۴ جناح کالونی فیصل آباد

تبصرہ نگار: سید محمد انور شاہ قادری

(لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳، پشاور شہر)

شیخ الحدیث حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب مدظلہ العالی (بانی جامع امینیہ فیصل آباد) کی یہ تالیف لطیف درود شریف کے فضائل ومحاسن اور فیوض و برکات پر ایک جامع اور بے نظیر کتاب ہے جس کے مطالعہ سے قلوب واذہان حبِ رسول ﷺ منور سے منور ہو جاتے ہیں۔

یہ تین ابواب یعنی حرف، آغاز اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ بابِ اول میں امام الانبیاء، سرور کون ومکاں، سید الصادقین، عالم علومِ اولین وآخرین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو گیارہ احادیث مبارکہ درج کی گئی جن میں آپ ﷺ نے درود شریف پڑھنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

دوسرے باب میں اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام اور اکابرینِ امت محمدیہ ﷺ کے ترپن (۵۳) فرمودات نقل کیے گئے ہیں جن میں درود شریف پڑھنے والوں کی شرافت وکرامت بیان کرتے ہوئے درود شریف کی ترغیت دلائی گئی ہے تاکہ اہلِ ایمان کثرت سے درود شریف پڑھنا اپنا شعارِ زندگی بنائیں۔

تیسرا باب ایسے ایمان افروز واقعات پر مشتمل ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی ان بخشش وعنایات کا ذکر ہے جن سے درود پاک پڑھنے والے بہرہ مند ہوئے اور اسی باب میں بعض لوگوں کے عبرت ناک انجام کا بھی

ذکر کیا گیا ہے جو درود پاک لکھنے میں بخل سے کام لیتے یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ پورا درود (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھنے کی بجائے صرف ''صلعم'' لکھا کرتے نعوذ باللہ من ذلک۔ یہ مختصر نویسی کا مرض لکھنے والوں میں اکثر پایا جاتا ہے جو بہت بڑا جرم جس سے عموماً اہل قلم بے خبر ہیں۔

مؤلف نے حرفِ آغاز میں درود پاک کے فوائد پر بڑے خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس سے قبل چند جلیل القدر علماء اہل سنت کی تقاریظ شامل کی گئی ہیں جن سے علمی حلقوں میں اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخر میں خاتمہ کا عنوان قائم کرتے ہوئے درود شریف پڑھنے کے آداب اور صحیفے رقم کیے گئے ہیں جو بہت مفید اور کارآمد ہیں۔

اس مبارک کتاب کا ہر ہر لفظ عشق رسول ﷺ کا منہ بولتا ثبوت اور محققانہ اسلوب نگارش کا امین ہے۔ اندازِ تحریر بالکل سادہ اور عام فہم ہے لیکن دلکشی اور تاثیر کا یہ عالم ہے کہ ایک بار اگر اس کا مطالعہ شروع کیا جائے تو ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور قاری بھیگی پلکوں کے ساتھ محبتِ رسول ﷺ کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر کے پریشان حال اور غموں کے مارے ہوئے انسان کیلئے یہ ایک نسخہ شفا ہے جس کی برکت سے وہ اپنے مصائب و آلام سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ عامۂ مسلمین کیلئے تقویت الایمان کا باعث ہے اور محبان و غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کیلئے ایک ایسا گلدستہ ہے جو ان کی مشامِ جاں کو معطر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ خوبصورت جلد سے آراستہ سفید کاغذ پر طبع شدہ یہ انمول تحفہ مذکورہ بالا ناشر سے رابطہ کر کے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے۔

بقیہ: داعیٔ اتحاد بین المسلمین

مولانا امیر شاہ صاحب قبلہ اس شہر پشاور کیلئے ایک اکیڈیمی کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ پشاور کے لوگوں کیلئے امید کی گھنی چھاؤں والا پیڑ تھے جس کی چھاؤں میں پشاور کے غریب شہری آکر بیٹھتے تو ان کو وہ سکون ملتا جو اس دور میں عنقا ہے۔ ان کی زندگی محبت، امن اور عبادت کا مرقع تھی۔ وہ اپنے پیچھے اچھی روایات کی ایک ایسا حسین دور چھوڑ گئے ہیں جو زمانہ یاد کرتا رہے گا۔

غزل

سیف زلفی

دل کے شجر کو خون سے گلنار دیکھ کر
خوش ہوں نئی بہار کے آثار دیکھ کر

صحرا بھلے کہ ذہن کو کچھ تو سکوں ملے
گھبرا گیا ہوں شہر کے بازار دیکھ کر

آگے بڑھے تو تیرگئ شب نے آ لیا
نکلے تھے گھر سے صبح کے آثار دیکھ کر

آنسو گرے تو دل کی زمیں اور جل اٹھی
برسا ہے ابر، خاک کا معیار دیکھ کر

سارے جہاں کو حلقہ ماتم سمجھ لیا
اپنا وجود نقطہ پرکار دیکھ کر

اوروں کو تو نے دولت کونین بانٹ دی
غم مجھ کو دے دیا ہے سزاوار دیکھ کر

بیٹھے تو آنچ دینے لگی پیپلوں کی چھاؤں
آئے تھے لوگ، سایہ اشجار دیکھ کر

جس طرح کوئی بچھڑا ہوا دوست مل گیا
ہم مسکرا دیئے رسن و دار دیکھ کر

بیٹھا ہوں اپنے فکر کے سایہ میں دیر سے
ہر آشنا کو ان کا طرفدار دیکھ کر

زلفی دکھوں کی دھوپ میں جلتے ہوئے بدن
بادل گزر گیا ہے کئی بار، دیکھ کر